دینی، علمی اصلاحی، ادبی اور انقلابی فکروں کا ترجمان

ماہنامہ

سراغ زندگی لکھنؤ

SuraageZindagi

سراغ زندگی

جلد نمبر 3 شمارہ نمبر 1 / اگست 2024 بمطابق صفر المظفر 1446

مدیر
فرحان وسیم

نائب مدیر
اظفر منصور

معاون مدیر
محمد عادل معاذ

معاون
عبداللہ ثاقب

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	اداریہ	مدیر کے قلم سے	۳
۲	درس حدیث	عبداللہ ثاقب	۷
۳	عکس ایام	از نائب مدیر	۹
۴	عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا....!	محمد ذکی ممتاز ندوی	۱۲
۵	لہو وطن کے شہیدوں کا رنگ لایا ہے۔	محمد عادل معاذ	۱۶
۶	کالا سایہ	ترجمانی ابن اللقاء	۱۹
۷	شیخ اسماعیل ہانیہ	عادل مسرور ندوی	۲۱
۸	ورفعنا لک ذکرک	محمد کیف ممبئی	۲۳
۹	غزۂ فلسطین (غزل)	محمد عادل معاذ	۲۴
۱۰	حالات حاضرہ میں مسلم نوجوانوں کی ذمہ داریاں	محمد فائز	۲۵
۱۱	وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔	محمد حسان میر	۲۶
۱۲	فتنوں کے دور میں رسول ﷺ کی پیشین گوئیاں (قسط دوم)	اظفر منصور	۲۹
۱۳	ایک کم سن بچہ (انگلش سے ترجمہ)	عبداللہ ثاقب	۳۲
۱۴	نزول مصائب کے اسباب	محمد زید	۳۴
۱۵	قرآن مجید صرف مسلمانوں کی کتاب نہیں۔	محمد ارقم	۳۶
۱۶	صرف احتجاج سے کیا ہوگا؟ (تلخ تلخ سفر)	اظفر منصور	۳۷
۱۷	نبوت کا مقصد تعمیر انسانیت!	محمد عبداللہ قاسمی	۳۹
۱۸	نوجوانوں کے نام کھلا خط!	مترجم نایاب حسن	۴۰
۱۹	15 اگست اور ہندی مسلمان	محمد فرحان سیوانی	۴۳
۲۰	سو بار سنوارا ہے اس ملک کے گیسوئے برہم کو!	شائلہ مومناتی بنت شوکت علی	۴۵

نوٹ! ادارہ کا مضمون نگار کے خیالات سے متفق ہونا ضروری ہے۔

اداریہ

زنا بالجبر کا حالیہ واقعہ
اور اسباب وحل

ہمارے معاشرے اور سوسائٹی کے بہت سے مسائل میں ایک سنگین مسئلہ یہ ہے کہ سطحیت اور ظاہر پسندی عام ہے۔ یہاں نگاہیں وہی دیکھتی ہیں، جو دکھ جائے یا دکھایا جائے، یہاں آواز وہی سنی جاتی ہے جو پر شور ہو، پست آوازیں یہاں کبھی قابل اعتنا نہیں ٹھہرتیں۔ اچھے یا برے نتائج پر سب گفتگو کرتے ہیں، رائے دیتے ہیں اور ضرورت پڑے تو بڑے زور وشور سے احتجاج کی صدا بھی بلند کرتے ہیں، مگر نتائج کے پیچھے سرگرم محرکات اور اسباب پر سنجیدہ گفتگو کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں، تجزیہ نگاروں کی نگارشات پڑھنے اور تہ تک رسائی رکھنے والے دماغوں کی سننے کے لئے کسی کے پاس وقتِ فرصت نہیں۔ مانو یہاں نتائج بغیر کسی پس پردہ سبب کے وجود پا گئے ہوں کہ صرف نتیجہ پر اپنی برہمی اور براءت کا اظہار ہی سارے درد کا مداوا کر دیگا، حالانکہ اس سبب ومسبب کی دنیا میں ہر واقعہ، کچھ اسباب ومحرکات کا منطقی اور فطری نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ لہذا اگر کسی واقعے کو پیش آنے سے روکنا ہے، تو جہاں اس واقعے اور نتیجہ کی مذمت وشناعت کا اظہار ضروری ہے، وہیں اس کے اسباب کا تحلیل وتجزیہ اور اس واقعہ کی منزل تک لے جانے والی تمام راہوں پر غور وخوض ضروری ہے، وگرنہ مذموم واقعات کو پیش آنے سے نہ پبلک کا غصہ روک سکتا ہے، نہ کوئی سخت سے سخت تعزیر وسزا کہ آپ پھوڑے پر اوپر سے نشتر چلا کر کبھی مطمئن نہیں ہو سکتے کہ اب پھوڑے کا علاج ہو گیا۔ آپ کو بدن کے اندر، اس خرابی کا علاج کرنا ہوگا جس کی علامت کے طور پر یہ پھوڑا آپ کو نظر آتا ہے۔ گذشتہ دنوں کولکتہ میں ایک نہایت افسوس ناک واقعہ پیش آیا، جس نے ملک گیر سطح پر لوگوں کے غم وغصہ کو ابھار دیا۔

9 اگست کو نصف شب، کولکتہ کے ایک میڈیکل کالج میں ایک جونئر خاتون ڈاکٹر کے ساتھ بڑے درد ناک طریقہ پر جنسی زیادتی کی گئی۔ اگلی صبح خاتون ڈاکٹر کی نعش ملی؛ بعدازاں پوسٹ مارٹم رپورٹ نے واضح کردیا کہ زنا بالجبر کا گھنونا جرم انجام دیا گیا تھا۔ ابھی مزید تحقیقات سی بی آئی کے زیر اہتمام جاری ہیں۔ پورے ملک میں غم و غصے کی لہر ہے، اطباء اور نرسز ملک گیر احتجاج کررہے ہیں، ہر سوشل سائٹ پر اس کی مذمت کی جارہی ہے، مگر خال خال ہی کہیں اس کے اسباب ومحرکات پر سنجیدہ گفتگو کی جارہی ہے، حالانکہ یہ زریں موقع ہے جس سے فائدہ اٹھاکر ہم ان اسباب ومحرکات کو لوگوں کے سامنے لاسکتے ہیں، جو ان واقعات کے پیچھے کارفرما ہوتے ہیں۔

ہم مضمون کو طوالت سے بچانے کے لئے نکتہ وار تین بنیادی اسباب پر روشنی ڈالتے ہیں:

(ا) معاشرے کا ایمان ویقین اور حساب وکتاب کے عقیدے سے محروم ہوجانا۔ یہ وہ بنیادی خرابی ہے جو اگر بحیثیت مجموعی پنپ جائے تو کسی بھی معاشرے کو جرائم کی جہنم میں جھونک سکتی ہے۔ ایک فرد یا گروہ جس کا نظریہ یہ ہو کہ کل پونجی یہی دنیا ہے، یہ کل متاع ہے جس سے انتہائی حد تک فائدہ اٹھالینے میں کوئی قباحت نہیں کہ کل جسم خاک ہوجانا ہے، ایسے فرد یا گروہ کے لیے بڑی سے بڑی تعزیری سزا بھی بے سود اور غیر مؤثر ہوجاتی ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ دنیاوی عیش وعشرت اب اس کے لیے مقصود بن چکا ہے اور مقصود کے حصول میں اگر کچھ وقتی تکلیف واذیت اور تھوڑی بہت ذلت بھی برداشت کرنی پڑے تو کیا حرج ہے؟ دنیا کا مقصود بن جانا اور پھر اس کے پیچھے کسی حساب وکتاب کے عقیدے اور تصور کا نہ ہونا، انسان ومعاشرے کو شتر بے مہار بنادیتا ہے، پھر بڑے بڑے قانون کے ادارے بے بس اور علم وفکر اور مادی نقصانات کی بڑی بڑی تقریریں بے نتیجہ رہ جاتی ہیں۔

آخرت کے عقیدہ کا انکار کرنے والوں کی نفسیات میں یہ خوف پنہاں ہوتا ہے کہ اگر ہم نے آخرت اور حساب وکتاب کو مان لیا تو پھر عیاشی وبدمعاشی کی اس زندگی پر خود ہمارا ضمیر راضی نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ سے تو خود ہمارے ضمیر میں ایک عدالت اور پولیس کی چوکی قائم ہوجائے گی، جو تنہائی میں بھی ہماری باز پرس کرنے سے باز نہ آئے گی۔ لہذا آخرت کے عقیدہ کو فرسودہ خیال نہ تصور کرنا چاہئے کہ جس کا عملی میدان میں کوئی اثر نہ ہو، بلکہ اس دنیا کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنانے کے لئے جتنی ضرورت قانون کی بالادستی اور اداروں کے استحکام کی ہے، اس سے زیادہ اِس عقیدہ کو دلوں میں پیدا کرنے اور راسخ کرنے کی ہے۔ جذبات جب ہیجانی صورت اختیار کرتے ہیں، تو نہ مجرم، پولیس سے خوف کھاتا ہے، نہ اسے وہ نقصانات ہی روک سکتے ہیں جو علمی طور پر اسے معلوم ہیں۔ ہیجانی

جذبات کا مقابلہ، جذبات کی جڑوں اور تہوں میں اترے ہوئے کسی عقیدہ سے ہی کیا جا سکتا ہے، علم اس معاملے میں مفید نہیں ہوتا۔

(۲) دوسری بنیادی وجہ مرد و عورت کی شہوانی فطرت و جبلت کا لحاظ نہ کرنا ہے۔ ہمارے دور کے دانش سے خالی دانشوروں کے نزدیک ایسی کوئی رائے جس میں عورت کو زمانے کے سامنے عریاں یا نیم عریاں نہ ہونے کا مفہوم شامل ہو، دقیانوسیت ہے اور پدر شاہی معاشرے کا تسلسل۔ ایسے دانشور حضرات فوراً سے پیشتر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ عورت پر ہی گناہوں کی ذمہ داری کیوں تھوپ دیتے ہیں، حالانکہ ایسی تمام آرا ذمہ داری تھوپنے کے بجائے پریکاشنس اور حفاظتی تدابیر کی نوعیت رکھتی ہیں۔ اب یہ کہاں کی دانش مندی ہے کہ چوروں کے معاشرے میں رہ رہے شخص کو اگر چوکنا اور ہوشیار ہونے کا مشورہ دیا جائے تو وہ بجائے خیر خواہی کا شکریہ ادا کرنے کے، کہنے لگے کہ میاں! چوروں کو جا کر سمجھاؤ۔

ہم سارے مردوں کو چور نہیں کہ رہے مگر جو انسان کے شہوانی جذبات کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ مرد حضرات کے اندر ایک چھوٹی سی چنگاری بھی کیا کیا طوفان کھڑے کر دیتی ہے۔ لہذا جہاں ہم مرد کو نگاہیں جھکانے کا تاکیدی حکم اور نامحرم سے بیجا اختلاط کو سختی سے ممنوع قرار دیتے ہیں، وہیں عورت پر بھی کچھ ذمہ داری عائد کرتے ہیں۔ مغربی تہذیب کا عجیب جنون ہے کہ ایک طرف معاشرے میں بے حیائی سے عبارت روایات و عادات، حیا سوز فلمیں اور ڈرامے اور جذبات کو برانگیختہ کرنے والے ناول اور گانوں کو ترقی پسندی اور روشن خیالی کے نام پر فروغ دیا جاتا ہے، پروموشن کی بڑی بڑی محافل منعقد کی جاتی ہیں، وہیں دوسری طرف جب یہ زہر اپنا اثر دکھاتا ہے تو پھر مرد و عورت کو بحیثیت جنس لڑانے کی کوشش کی جاتی ہے، مردوں کو مجموعی طور پر حیوان و درندا ثابت کیا جاتا ہے، حالانکہ مجموعی لحاظ سے دیکھیں تو یہاں خود معاشرہ اس پورے المیہ کا تنہا ذمہ دار ہے، جس میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔

یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک طرف آپ پوری قوت سے جنسی بے راہ روی کی زمین ہموار کریں اور پھر جب اس زمین سے کڑوے کسیلے پھل برآمد ہوں تو زمین تیار کرنے والوں کو کوسنے کے بجائے یک طرفہ پھل پر ذمہ داری عائد کر دیں؟ کاش کہ انسانی فطرت کو سامنے رکھ کر قوانین وضع کئے جاتے، نہ کہ خیالی معاشرے کو سامنے رکھ کر تو بہت سے مسائل حل ہو جاتے۔ بہت سے لوگ اس ضمن میں اسلامی ماحول اور اسلامی طرز فکر کی

آبیاری سے پہلے ہی اسلامی سزاؤں کے نفاذ کو درد کا درماں سمجھتے ہیں، حالانکہ صرف اسلامی سزائیں اس معاشرے میں کارگرنہیں ہوسکتیں، جہاں اسلام کا باقی ڈھانچہ مخدوش پڑا ہو۔لہذا ہمیں بحیثیت معاشرہ ایک مکمل حل کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے۔

(۳) ان تمام چیزوں کو بالترتیب نافذ کرنے کے ساتھ،قوانین کی بالادستی اور اداروں کا استحکام بہت ضروری ہے۔قانون کے نفاذ میں چھوٹے بڑے کی تفریق اور امیر وغریب کے امتیاز نے ہمارے قانونی نظام کو معطل بنا چھوڑا ہے۔ یہاں کسی واقعے میں انصاف کے لئے محض کسی کی مظلومیت تنہا کافی وجہ نہیں، بلکہ یہاں مظلوم کا باحیثیت ہونا ضروری ہے۔ اگر مظلوم بے حیثیت ہوا تو انصاف حاصل کرنا، بذات خود عذاب بن جاتا ہے۔آخر،ہمیں کسی ایسے جنسی زیادتی یا ظالمانہ واقعے میں انصاف کے لئے ملک گیر احتجاج کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ کیا انصاف ہمارے ملک میں ایک بھولی بسری چیز ہو چکی ہے،جس کے حصول کے لئے سڑکوں پر اترنا اور عوام کا اپنے معمولات متاثر کر کے آوازیں بلند کرنا ضروری ہو گیا ہے؟ ہمیں بحیثیت معاشرہ اپنے بدتر ہوتے حالات پر غور وخوض کرنا ہوگا۔

☆☆☆☆

درسِ حدیث ﷺ

عبداللہ ثاقب

زبانِ رسالت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اصول کے موتی بکھیرتی ہے، شعبہ ہائے زندگی کے کسی بھی حصے کا معاملہ ہو، زبان رسالت اس کو قوانین سے نوازتی ہے۔ افراط وتفریط سے مبرا اور غیر مساویانہ نظام سے ماورا خالص ارتقائے معاشرہ کے لیے جو اصول زبان رسالت سے صادر ہوتے ہیں، وہ آب زریں سے لکھنے کے قابل ہیں۔

انہیں اصول کا ایک بے مثال نمونہ وہ حدیث ہے، جس کو مسند احمد، نسائی اور طبرانی نے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔ ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: من تعزیٰ بعزاء الجاهلية فاعضوه ولا تكنوا۔

جو شخص رسوم جاہلی سے کسی رسم کو زندہ کرے یا اس پر فخر کرے تو اس کو کھلی گالیاں دو اور اس کو عار دلانے میں کسی اشارے اور کنائے کی زبان نہ اختیار کرو۔

آپ سوچیں گے کہ وہ زبان جو سراپا حیا ہے، جس سے تمام زندگی نیکی، راستی اور خدامستی کے سوا کوئی بات نہیں سرزد ہوئی، جو سباب المسلم فسوق (مسلمان کو گالی دینا فسق ہے) کا فرمان سناتی ہے۔ ایسی کیا بات آن پڑی کہ وہی زبان اب صریح گالیوں اور عار دلانے والے الفاظ کی ترغیب دے رہی ہے۔

آپ حجۃ الوداع کے اُس آخری خطبے کو یاد کریے جس میں آپ صحابہ کرام سے فرما رہے ہیں کہ آج جاہلیت کی ہر رسم میرے قدموں تلے روندی گئی ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان رسوم کے احیا کی کوشش کرے، وہی لہجہ پھر سے روا رکھنا چاہے گا اور وہی کچھ کرنا چاہے گا تو صاف طور سے وہ مقصدِ اسلام ومشنِ نبوی پر وار کرے گا۔ وہ تعمیر جس کو خود حبیب دو جہاں نے آب وگلِ رنگیں سے تیار کیا ہو اور وہ عمارت جس کی بنیاد کاری میں سابقون اولون کے خون سے ترشح کیا گیا ہو، اس کو اپنے قول وعمل سے کوئی ڈھانے کی کوشش کرے یا اس کی بنیاد شکنی کرے تو لامحالہ اس کی سزا ایسی ہونی چاہیے کہ اس کو اِن ہی جاہلی رسوم کی غلاظت میں مار دیا جائے۔

جو شخص اسلامی تشخص کو پارا پارا کر رہا ہو، ملی وحدت کے تار و پود کو بکھیر دینا چاہتا ہو، بنیانِ مرصوص کو مادۂ

باطلہ سے پگھلا دینا چاہتا ہو اور اتحاد اسلامی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسلام دشمن طاقتوں کو کمک پہونچا رہا ہو، ضرور ہے اس کو گالیاں دی جائیں اور اس کا سوشل بائیکاٹ کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ وہی معاملہ روا رکھا جائے جو کسی دشمن کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ ایسا شخص اللہ اور اس کے رسول کے فرامین سے کھلی بغاوت پر آمادہ ہے اور صاف اعلان کر رہا ہے کہ اس کو اسلام کے آفاقی منشور سے کوئی سروکار نہیں بلکہ وہ تو کافر صفت فرقوں کی سے عملی دعوت کا دعویدار ہے۔ ایسے لوگوں کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں جس کی مثال جلیل القدر صحابیٔ رسولؐ نے اپنے عمل سے قائم فرمائی ہے۔

وورد عن أبي بن كعب من طريق آخر، رواه عبد الله ابن الإمام أحمد في زوائد المسند "المسند" (35 / 142) حيث قال: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَبَّاسِ الْبَاهِلِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ: عَنْ أُبَيٍّ: "أَنَّ رَجُلًا اعْتَزَى فَأَعَضَّهُ أُبَيٌّ بِهَنِ أَبِيهِ. فَقَالُوا: مَا كُنْتَ فَحَّاشًا! قَالَ: إِنَّا أُمِرْنَا بِذَلِكَ"

"ابی بن کعبؓ کے سامنے ایک شخص نے جاہلی رسم پر فخر کیا، تو آنجناب نے اس کے باپ کی طرف سے اس کو عار دلائی۔ لوگوں نے کہا کہ بالآخر یہ فحش گوئی چہ معنی دارد؟ آپ نے فرمایا کہ ہم کو ایسے مواقع پر یہی کچھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

☆☆☆☆

خاموش پیغام

عکس ایام

از نائب مدیر

شیخ اسماعیل ہانیہ کی شہادت!

31 جولائی کی شب اپنے عروج پر تھی، پورے ایران وتہران میں سناٹا پسرا ہوا تھا، سب بے خوف سوئے تھے، چین وسکون کی سانسیں لے رہے تھے، جسم کوکل کے لیے تیار کر رہے تھے، مگر اسی ایران میں منافقوں اور غداروں نیز صہیونیت پسندوں کی روحیں مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہی تھیں، انہیں کسی کروٹ چین نہیں آتا تھا کہ کیسے گھڑی کی سوئیاں ڈیڑھ بجائے کہ ان کے مہمان اور پوری امت مسلمہ کے قائد، حماس کے چیف لیڈر اور مسجد اقصیٰ کے پاسبان شیخ اسماعیل ہنیہ کی پشت پر حملہ کریں اور اپنے بیکل قلب کی تسکین کا سامان پیدا کریں، چنانچہ وقت نے رفتار بڑھائی اور متعینہ میعاد پر ایک میزائل شیخ کے کمرے میں داخل ہوا، یا پھر نیویارک اخبار کے مطابق دو مہینے قبل ہی نصب شدہ بم کا کنٹرول اے آئی آرٹی فیشل انٹیلیجنس کے حوالے کر دیا گیا، جس نے اپنے پروگرام کی تکمیل ایک ایسے قائد کی جان لے کر کی جو موجودہ دور میں ظالموں اور باغیوں کے لیے کسی قہر خداوندی سے کم نہیں تھا۔

خدا غریق رحمت کرے اس جانباز کو، جس نے حقیقت میں امت مسلمہ کو جینے کے لیے از سر نو تیار کیا، مقام مقدسہ کے لیے قربانی کا جذبہ بیدار کیا، اسرائیل نواز ومنافقوں کی پہچان کی راہ کو ہموار کیا، اور پھر اہل غزۃ اور خود اپنے اہل خانہ کے ۷۰ افراد کی طرح جام شہادت پی کر سرخرو ہو گیا۔

(اسماعیل ہنیہ کی زندگی کی تفصیلات آپ اسی شمارے کے بعض مضامین میں پڑھیں گے)

بنگلہ دیش کا آمرانہ نظام غروب پذیر!

پہلے بھارت پھر پاکستان سے علیحدگی اختیار کرنے والا جمہوری ملک بنگلہ دیش کئی دنوں سے عوامی وحکومتی تشدد کی آگ میں جل رہا تھا، بعض مطالبات تھے جنہیں لے کر طلباء بنگلہ دیش نے احتجاج کا راستہ اختیار کیا تھا، مگر

حسینہ واجد کی آمرانہ سوچ نے ان مطالبات پر غور وفکر بجائے احتجاج کر رہے طلباء کو طاقت وقوت سے ہٹانے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں عوام میں غصہ کا لاوا پھوٹا، اور وہ مزید سخت انداز میں احتجاج پر مصر ہو گئے، تقریباً ۳۰۰ جانیں بھی تلف ہوئیں، زخمیوں کی تعداد الگ ہے۔

ان ناگفتہ بہ حالات سے گھبرا کر شیخ حسینہ واجد نے گذشتہ کل 5 اگست کو حکومتی ذمہ داریوں سے مستعفی ہو کر ملک سے راہ فرار اختیار کی، اور بذریعہ فضائی سواری بھارت کے راستے لندن بھاگنے کی فراق میں ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ **جب کسی ملک میں اپوزیشن پارٹیاں نہیں ہوتی ہیں تو وہاں اپوزیشن کی جگہ کبھی کبھی عوام لے لیتے ہیں، اور عوام جب اس جگہ آ جائیں تو پھر راہ فرار کے علاوہ کوئی راستہ نہیں سوجھتا۔** بالکل یہی کچھ بنگلہ دیش میں ہوا، حکومت نے عوام کے صبر کو للکارا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاوا پھوٹا، اور ملک میں بدنظمی و بے انتظامی کا ماحول بن گیا۔

15 اگست یوم آزادی! حقیقت یا سراب؟

اس سال ہم یوم آزادی کی اٹھترویں برسی منا رہے ہیں، اس موقع پر ہر طرف جوش وخروش اور رنگا رنگی کا ماحول ہے، مختلف قسم کی موسیقی اور دھنوں پر پورا ملک رقص کناں ہے، کہیں دھواں دھاڑ تقریریں ہو رہی ہیں، تو کہیں زوردار نعروں سے قلوب کو گرمایا جا رہا ہے، کہیں مستقبل کے منصوبے تیار کئے جا رہے ہیں، تو کہیں ماضی کے سالوں پر اظہار عقیدت کیا رہا ہے، مجاہدین آزادی کو خراج تحسین بھی پیش کئے جا رہے ہی تو کہیں اور قسم کی مجلسیں بھی لگی ہوئی ہیں۔

مگر اسی خوشگوار ماحول میں ہم جیسے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس آزادی کو سوال کی میزان میں تول رہے ہیں کہ کیا واقعتاً ہم آزاد ہیں؟ ان کا خیال ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم جس دن کو اپنے لیے خوشی ومسرت نیز آزادی وحریت کا دن تصور کر رہے ہیں، حقیقت میں وہ ایک خوفناک وخطرناک دن کا عکس ہو، کیونکہ آزادی کا جو سبق انہوں نے آئین میں پڑھا تھا، آزادی کا جو مطلب انہوں نے مجاہدین جنگ آزادی کی زبانوں سے سنا تھا وہ تو ہر جگہ مفقود ہے، لال قلعہ کی بلندی سے وزیر اعظم خطاب کرتے تھے آپسی انس واخوت کی اور ان کے متبعین کارنامے انجام دیتے ہیں خون ودہشت کی، پارلیمنٹ میں حلف اٹھائے جاتے ہیں آئین وسنودھان پر اور عوام پر حکم تھوپا جاتا ہے تفریق مذاہب کا، بوقتِ مجبوری سڑک پر نماز کو جرم عظیم گردانا گیا اور کانوڑ یاترا والے متشدد نوجوانوں کے لئے سڑکیں خالی کی گئیں، مسلمانوں کو مارنے کی خاموش چھوٹ دی گئی، ملک میں آگ زنی کا تصور

دیا گیا تو بتائیے کہ ایسی آزادی کو ہم حقیقی آزادی کا پیارا نام کیسے دے دیں؟ یہ تو محض سراب ہے، سراب ہے، سراب ہے۔

کولکاتہ کا حالیہ واقعہ!

ملک کی بدنظمی و بدحالی کسی بھی قیمت پر رکنے کا نام نہیں لے رہی ہے، بلکہ اب تو اس میں روز افزوں ترقی ہی ہوتی جا رہی ہے، ابھی حالیہ دردناک واقعہ 9 اگست کی شب کا ہے، رات کی ڈیوٹی کے دوران جس طرح سے میڈیکل کالج میں ایک لیڈی ڈاکٹر کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے اس سے پورا ملک سراپا احتجاج بنا ہوا ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ ایسی تہلکہ خیز ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

مگر معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے، بلکہ اس ملک میں ہر روز ان گنت تعداد میں اسطرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، حکومتی اعداد و شمار 2020ء کی رپورٹ کے مطابق ملک بھر میں یومیہ 77 ریپ کے واقعات درج ہوئے، اور یہ تعداد اب تقریباً روزانہ کے حساب سے 90 سے متجاوز پہنچ چکی ہے، ایک کثیر آبادی والے ملک کے لیے جہاں انتخابات کے دنوں میں خواتین کو موضوع و مدعا بنا کر ووٹ لئے اور دیئے جاتے ہیں اس طرح کے واقعات وہ بھی اس کثرت سے پیش آئیں تو یقیناً یہ ملک اور قوموں کی سلامتی کے لیے قابلِ تشویشناک ہے، اگر اس جانب بغیر کسی مذہبی تفریق کے فوری طور پر باقاعدہ توجہ نہیں دی گئی تو یہ مذموم حادثہ ہمارے ملک کی پہچان بن جائے گا۔

دیگر تمام ملکوں کی طرح ہندی دستور میں بھی زنا بالجبر کے خلاف بہت سخت قانون وسزا ہے، مگر اسے یقینی اور نافذ العمل بنانا حکومت و اپوزیشن نیز سماجی و مذہبی شخصیات کی اولین ذمہ داری ہے۔

☆☆☆☆

سراغ زندگی ایک دینی، علمی، فکری اور انقلابی رسالہ ہے لہذا اس کی نشر و اشاعت میں ضرور حصہ لیں۔

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا.....!

محمد ذکی ممتاز ندوی

بطل حیرت، امیر المومنین، رئیس المسلمین، سید الاحرار، امام المجاہدین اور تحریک مزاحمت اسلامی "حماس" کے لیڈر فضیلۃ الشیخ حافظ محمد اسماعیل ہنیہ رحمۃ اللہ الواسعۃ کو گزشتہ دنوں (۳۰-۳۱ جولائی کی شب) ایک میزائلی حملہ میں ایران کے شہر تہران میں دہشت گردانہ و بزدلانہ طور پر شہید کر دیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون, ان للہ ما أخذ ولہ ما اعطی و کل شي عندہ باجل مسمی۔

شیخ اسماعیل شہیدؒ اپنی مراد کو پہنچ گئے، رب کریم نے ان کے شوق شہادت، ذوق شہادت اور ان کی تڑپ کو قبول فرما لیا، راہ حق کا تھکا مسافر، اب مسافران بہشت میں شامل ہو گیا، مالک دو جہاں نے ان کو خلعت شہادت عطا فرما کر حیات جاودانی کا اعزاز بخش دیا ہے، یہی ان کی تمنا اور دیرینہ خواہش تھی، ان کے نزدیک یہی حقیقی قوت کا راز، یہی روح زندگی، یہی حیات ابدی، یہی سوز و ساز محبت اور یہی نجات و سعادت کی کنجی تھی، جگر مرادآبادی کی زبان میں ؎

کام آخر جذبۂ بے اختیار آ ہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا ان کو پیار آ ہی گیا
جان ہی دے دی جگرؔ نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

حماس کے صف اول کے قائد و رہنما امام الانتفاضہ شیخ احمد یاسین شہیدؒ اور شیخ عبد العزیز الرنتیسی شہیدؒ کو ۲۰۰۴ میں شہید کر دیا گیا تھا، اس طویل عرصہ میں صف اول کا کوئی لیڈر رذیل و پلید صہیونی طاقت کا براہ راست نشانہ تو نہیں بنا؛ البتہ تحریک کو کمزور کرنے، اس پر پابندیاں عائد کرنے اور دنیا کے سامنے اسے دہشت گرد ثابت کرنے میں صلیبی و صہیونی ایجنسیوں اور عالمی میڈیا نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس عرصہ میں حماس کی حکمت عملی اس قدر مضبوط رہی کہ ہزار جتن کے باوجود بھی یہ ان کے ہاتھ نہ آ سکے، انہوں نے اپنی حکمت عملی اور جنگی مہارت سے امریکا نوازوں کو آج بھی ورطہ حیرت میں ڈال رکھا ہے، تمام تر آلات حرب اور اسباب و وسائل سے لیس ہونے کے باوجود اسرائیلی فوج کے دانت کھٹے کر رکھے ہیں، اگر چہ وقتاً فوقتاً انہوں نے اپنوں کو بچھڑتے، معصوموں کی نعشوں کو تڑپتے، بوڑھوں کو سسکتے، لخت جگر و نور نظر کو بلکتے، زخمیوں کو آہیں بھرتے، عورتوں کو

بیوہ، بچوں کو یتیم، کمزوروں کو بے سہارا ہوتے اور انسانیت سوز مظالم دیکھے، لیکن ان کے پائے ثبات واستقامت میں ذرا بھی تزلزل نہ آیا؛ بلکہ صہیونی فوج کا ہر حملہ ان کے اندر صبر وہمت اور توکل علی اللہ کی وہ دولت گراں مایہ پیدا کرتا رہا جس کے سامنے دنیا کی ساری طاقتیں ڈھیر ہیں اور یہ مرد مجاہد بلا خوف لومۃ لائم ڈٹا رہا، سرزمین فلسطین کی بازآبادکاری اور مسجد اقصی کی بازیابی کے لئے سد سکندری بنا رہا اور یہ نعرہ لگاتا رہا" اللہ غایتنا، والرسول قدوتنا، والقرآن دستورنا، والجہاد سبیلنا، والموت في سبيل الله أسمى أمانينا "(اللہ ہماری غایت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیشوا، قرآن ہمارا دستور، جہاد ہمارا راستہ اور شہادت ہماری بہترین خواہش ہے)

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

شیخ شہیدؒ کی شخصیت جامع الکمالات تھی، آپ جب تلاوت فرماتے تو قرآن مجید کی معنویت کے اتاہ سمندر سے آواز نکلتی، جو دلوں کو گرماتی، روح کو تڑپاتی، ضمیر کو مہمیز لگاتی اور ایمان میں بڑھوتری کا سبب ہوتی تھی، وہ قرآن مجید کی اس آیت کے حقیقی مصداق تھے" انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم واذا تلیت علیہم آیتہ زادتہم ایمانا وعلی ربہم یتوکلون"۔(انفال:۲)

(حقیقی مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں، اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں)۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن

ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

وہ جب اتحاد العالمی لعلماء المسلمین کے اسٹیج سے مذہبی امور پر تبادلہ خیال کرتے تو زبان پر قرانی آیات اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کلمات رواں ہوتے، جب باطل کو للکارتے تو ایک مجاہد و غازی کے انداز میں مخاطب ہوتے، جب اپنوں سے بات کرتے تو ان کے غم گسار، رفیق کار اور ہمدرد بن جاتے، عالم اسلام سے مخاطب ہوتے تو ایک جرنیل، ایک سپہ سالار، ایک قائد اور ایک رہنما کے طور پر ببانگ دہل حق کا اظہار کرتے، فسطائی طاقتوں اور صلیبی وصہیونی ایجنسیوں اور باطل پرستوں سے کہتے کہ ہماری جانیں، ہمارا مال، آل اولاد سب قدس کی حفاظت اور حرم ثلث (بیت المقدس) کی عزت و ناموس کے لئے قربان ہے۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے

جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

حالات کتنے بھی پرخطر ہوں، آندھیاں کتنی ہی تیز ہوں، بادِ سموم کے تھپیڑے کتنے ہی سخت ہوں، دشمن اپنی دسیسہ کاری اور شعبدہ بازی کی کوئی بھی چال چلتا ہو، انہوں نے کبھی پیٹھ نہیں دکھائی؛ بلکہ میدان کارزار میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندہ مثال بن کر سامنے آئے، اور حق کی سربلندی اور انصاف کی بالادستی سے کبھی دست کش نہ ہوئے، انہوں نے اپنے شیخ و مربی کا راستہ تادم زیست نہیں چھوڑا؛ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ راستہ بڑا خطر اور نہایت دشوار گزار ہے لیکن ان کی تربیت جس ماحول و انداز میں ہوئی، ہمیشہ اس کا پاس رکھا۔

یہ شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

وہ اپنی روحانیت وللّٰہیت، رجوع و انابت، تذلل و عبودیت، استقامت و عزیمت، دانائی و حکمت، رحم دلی و شفقت میں ہمارے یہاں کے بہت سے زہاد و عباد سے افضل تھے، وہ حدت ذہن، وفور عقل، کمال فہم و فراست اور عرفان خودی و معرفت الٰہی سے سرشار تھے، صبر و تحمل، شجاعت و پامردی، فکر و تدبر سے لبریز تھے، میدان جہاد کے شہسوار، اتحاد العلماء المسلمین کے رکن اور عالم اسلام کے روحانی قائد تھے۔ ان کی زندگی قلیل لیکن مقاصد جلیل اور عزائم بالا و بلند تھے۔

شیخ شہیدؒ نے دنیائے فانی کی تقریباً ۶۳/ بہاریں دیکھیں ہیں، ۶۳/ کا عدد خوش نصیب و نیک بخت ہستیوں کے مقدر میں آتا ہے، قائد اعظم اور جرنیل اکبر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا سال وصال ۶۳/ اور صدیق اکبرؓ کا بھی یہی ہے؛ چنانچہ آپ سے ملاقات کے اشتیاق میں عالم اسلام کا یہ قائد بھی تریسٹھ برس میں ہی چل بسا۔ اس عرصے میں انہوں نے اپنے خاندان کے کم و بیش ۴۲/ افراد قدس کی عظمت و شوکت پر قربان ہوتے دیکھے، پے بہ پے ان کے صدمے برداشت کئے، ان کے جنازے اٹھائے، لیکن قربان جائیے اس مرد مجاہد و قائد کی ثابت قدمی، شجاعت، بہادری، پامردی، جواں مردی اور عزم و استقلال پر، کہ یہ حادثات ان کی ثابت قدمی میں رخنہ انداز ثابت نہ ہوئے۔

روز اول سے صہیونی برادری اور امریکی نواز میڈیا کا رویہ حماس اور تحریک کے قائدین کی کردار کشی رہا ہے، تاکہ فلسطینی عوام کا ان پر سے اعتماد اٹھے اور دنیا میں ان کا استہزا کیا جائے، انہیں غدار وطن، اور سودا گر قوم ثابت کرنے میں انٹلی جنس کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی؛ چنانچہ اسی رفتار بے ڈھنگی پر عمل پیرا ہو کر اب پھر یہی کیا گیا کہ گزشتہ برس سات اکتوبر

سے صہیونیت کے خلاف ہونی والی جدوجہد" طوفان الاقصیٰ" کے ابتدائی دنوں میں شیخ شہیدؒ ان کے جاں نثار ساتھی شیخ خالد مشعل اور شیخ موسی ابومزروق وغیرہ کی کردارکشی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت اٹھانہیں رکھا، ان کو دولت کا پجاری، فلسطینی قوم کا سوداگر گردانا گایا، اور ایسی جعلی رپورٹیں نشر کی گئیں جن میں ان حضرات کو اربوں میں کھیلتا اور اپنی قوم کو بے یارومددگار اسرائیلی وحشیوں کے رحم وکرم پر چھوڑنے والا ثابت کیا گیا، صہیونی کاز اور صلیبی طاقتوں نے اس سلسلہ میں جو کیا سو کیا......

افسوس کہ امت مسلمہ کا ایک دانش ورطبقہ بھی ان کی لے میں لے ملا کر ان پر شک کرنے لگا، ان کے خلاف مضامین لکھے اور بیانات شائع کئے، لیکن اس مرد قلندر کی زبان پر کبھی کوئی حرف شکایت نہ آیا، چونکہ شیخ شہیدؒ کا تو اعلان ہی یہ تھا۔

گرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا

وہ اپنے حصہ کا کام کرکے رب کے مہمان ہو چکے ہیں، فرشتوں نے ان کا استقبال کیا اور حوروں نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا ہوگا، وہ عالم اسلام اور بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کو یہ پیغام دے گئے ہیں کہ باطل کی چیرہ دستیوں، ریشہ دوانیوں اور مکروفریب کے سامنے کبھی بھی سپر نہ ڈالنا، اسلامی اقدار وروایات کا کسی بھی صورت سودا نہ کرنا، حق کی سربلندی کے لئے جان کا نذرانہ پیش کرنے کی نوبت آئے تو دست کش نہ ہونا؛ چونکہ۔

شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

غفر اللّٰہ لہ فی جنات النعیم مع الصدیق والشہداء والصالحین والابرار الاخیار

☆☆☆☆

سراغ زندگی محض دینی، فکری، و انقلابی رسالہ ہی نہیں بلکہ ایک تحریک بھی ہے، جس کا مقصد معاشرے میں صالح انقلاب کی روح پھونکنا ہے، لہذا اس کی نشر و اشاعت میں خوب حصہ لیں۔

لہو وطن کے شہیدوں کا رنگ لایا ہے

محمد عادل معاذ بہرائچی

لہو وطن کے شہیدوں کا رنگ لایا ہے
اچھل رہا ہے زمانے میں نام آزادی

عالمی منظرنامے پر ہندوستان اپنی خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے انفرادیت اور الگ مقام رکھتا ہے، یہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے اور مختلف بولی بولنے والے اپنی تہذیبی اور تمدنی شناخت کے ساتھ ایک ساتھ رہتے ہیں، اسی تنوع اور رنگارنگی میں ہندوستان کی خوبصورتی کا راز مضمر ہے، ہندوستان کی اسی خوبصورتی کی تصویر علامہ اقبال نے ترانۂ ہندی میں نہایت دلکش انداز میں پیش کی ہے۔

یہ ملک ہندوستان جسے ہم آزاد ہند سے تعبیر کرتے ہیں، جغرافیائی اعتبار سے اس کا جائے وقوع بڑا برمحل ہے، اسکا دامن بہت وسیع ہے، اسکی سرحدیں ایک طرف کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک تو دوسری طرف گجرات سے لے کر بنگال تک پھیلی ہوئی ہیں، کشمیر اس کی جنت، دلی اس کی جان، لال قلعہ اس کی شان، تاج محل اس کی پہچان اور قطب مینار اس کی آن اور بان ہے، اس کے اکثر حصے بڑے زرخیز اور مردم خیز ہیں، یہاں چپہ چپہ پر چھوٹی بڑی ندیاں بہتی ہیں، اس کی دھرتی پر بڑے بڑے پہاڑ، آبشار، باغات اور جھرنے ہیں، یہاں رنگ برنگے پھول، لذیذ پھل اور میوے پیدا ہوتے ہیں، آسمان بارش برساتا ہے، دھرتی سونا اگلتی ہے، اسکی گود میں دولت وثروت کے چشمے ابلتے ہیں، ہندوستان کی اسی خوبصورتی اور کشش کو دیکھ کر شاعر نے کہا تھا۔

اونچے اونچے پربت اس کے نیلے نیلے ساغر
دھرتی جیسے پھوٹ بہی ہو دودھ کی کچی گاگر

اور شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال نے تو اسے سارے جہاں سے اچھا کہہ دیا۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

اسی لیے ہم بھی بڑے فخر سے کہتے ہیں ہم ہندوستانی ہیں ـــــ

ہندی ہیں ہم وطن ہیں ہندوستان ہمارا

ہندوستان کی تاریخ بڑی دلچسپ اور دلسوز ہے، جو مختلف نشیب وفراز کے درمیان گھری ہوئی ہے، یہاں واقعات و حوادث کے آئینے ہمیں مختلف قوموں کی تہذیب وتمدّن کی تصویر دکھاتے ہیں، تاریخ کے پنے ہمیں مختلف رنگوں نسلوں اور مذاہب کی داستان سناتے ہیں، جن میں تہذیب وتمدن کی رنگ رلیاں بھی ہیں، اور جنگ وخونریزی کی حکایتیں بھی، ظلم وستم کی آندھیاں بھی ہیں اور مظلوم انسانوں کی آہیں بھی، فتح ونصرت کی سرفرازیاں بھی ہیں اور شکست وہزیمت کی راتیں بھی، غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوے لوگوں کی سسکیاں بھی ہیں اور حریت وآزادی کی آوازیں بھی، قوم وملت کے لئے مجاہدانہ سرگرمیاں بھی ہیں اور عشق ووفا کی باتیں بھی۔

تاریخ ہند میں قدیم تہذیب وتمدن کے نشانات، ویدوں کے پیغامات، بزرگوں کی ہدایات، صوفیاء کی کرامات، اولیاء کی مساوات، باشندگان ہند کی زندگیوں کے نقوش، مسلم حکمرانوں کی حکومت، اسلام کا عدل، غلاموں کی سلطنت، خلجیوں کی شوکت، مغلوں کی عظمت، انگریزوں کی سازش، اپنوں کی غداری، ٹیپو کی شہادت، آزادی کی تحریک، ۱۸ سوستاون کی بغاوت، غیروں کا قبضہ، کانگریس کی قیادت، آزادی کا حصول، آئین کا نفاذ، اور اسکے بعداب تلک پیش آنے والے مسلسل فسادات اور خونی واقعات، سب کچھ درج ہے، اور وہ تمام حقائق درج ہیں جو ہندوستان کی پیشانی کو داغدار بناتے ہیں، اسکی قدرتی خوبصورتی کا مذاق اڑاتے ہیں، اور ہندوستان کے چہرے پر بدنما داغ ہیں۔

آج حکومت کے ایوانوں سے، عدالت کے کٹہروں سے، اونچے اونچے محلات اور عمارتوں سے، مسجدوں، مندروں، میناروں سے کالجوں مدرسوں کی دیواروں سے آزادی کی آوازیں آرہی ہیں، آزادی کے نغمے گائے جارہے ہیں، ترنگے پھرائے جارہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ عام انسانوں کو، جھوپڑ پٹیوں میں رہنے باشندوں کو غریبوں اور مزدوروں کو آزادی حاصل بھی ہے یانہیں؟ کیا ہندوستان کا ہرشہری آزادی کی سانسیں لے پارہا ہے؟ آزاد ہندوستان میں رہنے اور بسنے والے انسانوں کو ہرطرح کی مذہبی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور تعلیمی آزادی حاصل ہیں؟ اقلیتوں کے حقوق محفوظ ہیں؟ اور اگر جواب نفی میں ہے تو پھر آزادی چہ معنی دارد۔ پھر بھی ہم مایوس نہیں ہیں۔

ممکن ہے زمانہ رخ بدلے یہ دور ہلاکت مٹ جائے
یہ ظلم کی دنیا کروٹ لے یہ عہد ضلالت مٹ جائے
دولت کے فریبی بندوں کا یہ کبر ونخوت مٹ جائے
برباد وطن کے محلوں سے غیروں کی حکومت مٹ جائے

لیکن سچی بات یہ ہے کہ تاریخ کسی اندھے، گونگے اور بہرے کی داستان نہیں لکھتی، اور نہ ہی اسے خاطر میں لاتی ہے،

تاریخ صرف انہیں کو یاد رکھتی ہے جو مفادات وخواہشات کی کشتیاں جلا کر اپنے خون اور پسینے سے وطن کی تاریخ لکھتے ہیں، ہر طرح کے حالات ومصائب کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، وہ جو جینے کے لئے نہیں بلکہ مرنے کے لئے جیتے ہیں، کیونکہ جو مرنے سے گھبراتا ہے وہ جیتے جی مرجاتا ہے، اس لیے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اور حالات کا رخ بدلنے کے لئے خود کو تیار کرنا ہوگا، ہر میدان میں آگے بڑھنا ہوگا، تاکہ وہ وقت بھی آئے کہ ہر طرف عدل وانصاف اور آزادی کا پرچم لہرائے، ورنہ ہندوستان کی شان بھی مٹ جائے گی اور ہماری تاریخ بھی، یہ ترنگا ہمیں یہی پیغام دے رہا ہے۔ ہندوستان ہمارا ہے، ہمیں اسکی مٹی سے پیار ہے۔ اسکی آزادی کے لئے ہم لڑتے رہیں گے، اور اسی مٹی میں مل جائیں گے۔

دل سے نکلے گی نہ مرکر بھی وطن کی الفت
میری مٹی سے بھی خوشبوئے وفا آئے گی

☆☆☆☆

موجودہ ہندوستان

”طویل عرصہ کے گزر جانے کے بعد ہندوستان دنیا کی سب سے کامیاب جمہوریتوں میں سے ایک ہے اور اب وہ آزادی کے سفر سے ایک ترقی یافتہ ملک بننے کے نصب العین کی طرف بڑھ رہا ہے۔ لیکن منزل کے حصول میں اِسے غربت، بے روزگاری اور ایسے ہی کئی اہم مسائل سے آزادی حاصل کرنا ابھی باقی ہے۔ مذہب کے نام پر منافرت، فرقہ وارانہ تشدد عام ہے۔ آج ملک بھر میں نفرت، ہجومی تشدد، فرقہ پرستی کے واقعات دیکھنے کو مِل رہے ہیں۔ اقلیتی طبقہ کو ہر لحاظ سے تکلیف پہنچائی جارہی ہے۔ مسلمانوں کی حب الوطنی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جارہا ہے۔ خوف وہراس کے ماحول میں بےقصوروں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی ہے۔ اِن ساری باتوں کو ذہن میں رکھ کر سوچیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ حالات کے پیشِ نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہندوستان آج بھی آزادی کا منتظر ہے“۔

اب بھی جاری ہے وطن میں ظلم وستم
جشنِ آزادی منائیں تو، کیسے منائیں ہم

ابوحذیفہ یوسفی بارہ بنکوی

کالا سایہ

از: مؤمن احمد فاروق (مصر)

ترجمانی: ابن اللقاء

آئینے کے سامنے کھڑی ہوکر میں اپنے چہرے کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی، کیا میں بدصورت ہوں؟ یا میرے اندر عورت جیسی کوئی چیز نہیں؟! کیا وہ مجھے اسی طرح سے دیکھتے اور سمجھتے ہیں یا یہ صرف غصے اور ناراضگی کا اثر ہے؟

ذہن میں سوالوں کا ایک طوفان اٹھا تھا لیکن جیسے ہی میرے شوہر کمرے میں داخل ہوئے سوالوں کا یہ طوفانی سلسلہ منقطع ہوگیا، مجھے لگا وہ مجھے ماریں گے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا... ہاں! انہوں نے مجھے نہیں مارا، بلکہ انہوں نے میرے کندھے پر پیار سے تھپکی دی، مجھے سینے سے لگایا اور اپنے کہے اور کیے کیلئے معافی مانگی۔ میں نے اینٹی ڈپریسنٹ کی ایک گولی کھائی اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "محمد میں جانتی ہوں آپ نے یہ سب غصے میں کیا ہے" لیکن میں نے دل ہی دل میں کہا "خبیث تم مرہی جاؤ تو بہتر ہے" محمد گون اتار کر بستر پر لیٹ گئے، بعد میں میں بھی لائٹ بند کر کے اس کے پہلو میں جا کے لیٹ گئی، کچھ دیر کے بعد اچانک سے کمرے کی کھڑکی کھل گئی، اس سے سخت سرد ہوائیں آنے لگی، میں نے محمد سے کہا اور میرے دانت بج رہے تھے۔ "محمد کھڑکی بند کردیجیے ورنہ مارے ڈھنڈی کے میں جم جاؤں گی"

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، میں نے ایک لمبی سانس لی اور جسم میں پھیلی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی، ایک بار پھر میں نے کہا "کھڑکی بند کردیجیے م-----

اتنے میں میں نے ایک زوردار چیخ سنی، جیسے کہ وہ چیخ جہنم کی گہرائیوں سے آرہی ہو، میں نے نظر دوڑائی کہ آخر وہ آواز کہاں سے آرہی ہے، میرا دل دھک سے رہ گیا، کھڑکی سے قریب ہی ایک ڈراؤنا سا کالا سایہ کھڑا تھا، اس کی دونوں آنکھیں سرخ چمک لئے شعلہ زن تھیں، اس کے سر کے پچھلے حصے میں دو لمبے سے سینگ تھے، میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، خوف کے مارے میرا پورا جسم لرزنے لگا، میں نے محمد کو جگانے کی کوشش لیکن وہ تو میرے بغل میں ہی نہیں... آخر کہاں چلے گئے وہ؟!

اچانک کالا سایہ آہستہ آہستہ میرے قریب ہونے لگا، میرا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا، چہرے سے پسینے ٹپک رہے تھے، میں نے چیخنے چلانے کی کوشش کی لیکن میری آواز گلے ہی میں دب کر رہ گئی...

میں حرکت کیوں نہیں کر پا رہی؟ کیا میرے اعضاء شل ہو چکے ہیں، میں مفلوج ہو چکی ہوں؟! مجھے نہیں پتا... مجھے بس اتنا پتا ہے کہ میری موت قریب آگئی ہے... بہت قریب، میں نے طاقت لگا کر کے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن سائے نے

گرج لگائی رعب دار گرج، ایسی گرج کہ میری رگیں پھولنے لگی، پھر ایک ہی جھٹکے میں وہ میرے سینے پہ کود پڑا، اس لمحے مجھے یقین ہو چلا کہ لامحالہ میں ہلاک ہونے والی ہوں میں موت کی تمنا کرتی ہوں۔ بیشک موت ان تکلیفوں اور پریشانیوں سے زیادہ رحم دل ہے... آخر اس وقت موت کیوں نہیں آتی جب انسان مرنا چاہتا ہے؟! آخر کیوں؟!

کچھ ہی لمحے گزرے تھے، میں نے اپنے شوہر کے ساتھ گزرے ہوئے خوشگوار لمحے اور ان سے وابستہ میری سنہری یادوں کو یاد کیا، زار و قطار میری آنکھیں بہہ پڑیں، دل میں ندامت کے جذبات اُمڈ پڑے، اسلئے کہ میرے شوہر کے معافی مانگنے کے باوجود بھی میں نے تمنا کی کہ میرے شوہر مر جائیں، حالانکہ اصل غلطی میری ہی تھی، لیکن میں نے اپنے کیے کیلئے ان سے معافی نہیں مانگی۔

کاش میں ابھی نہ مروں، اس لیے نہیں کہ میں موت سے ڈرتی ہوں، بس میں اتنا چاہتی ہوں کہ مجھے ایک دوسرا موقع مل جائے تاکہ میں اپنے کیے کی معافی مانگ لوں، لیکن اب وقت گزر چکا ہے، کچھ ہی لمحے بچے ہیں، پھر ہمیشہ کیلئے میں اس دنیا کو چھوڑ دوں گی۔

کالا سایہ پرفریب انداز سے مسکرایا، پھر میرے سینے کو زوروں سے بھینچنے لگا یہاں تک کہ میرا دم گھٹنے لگا... شاید یہ میرا آخری وقت ہے۔ اچانک میری روح میرے جسم میں لوٹ آئی، مجھے کسی کے ہاتھ کا احساس ہوا کہ وہ مجھے زوروں سے ہلا رہا ہے، درد و خوف سے میرا بدن تشنج میں مبتلا تھا، چہرہ آنسوؤں سے تر بتر تھا، میرے شوہر کی آواز آئی: "نیدلان! میری پیاری نیدلان! ڈرو مت بس یہ ایک برا سپنا ہے، ڈراؤنا خواب ہے"

درد کے مارے میرا سر پھٹا جا رہا تھا، کچھ لمحے بعد مجھے سمجھ آیا کہ یہ تو بس ایک خواب تھا، ڈراؤنا خواب، میرے شوہر مجھے لے کر بے چین و پریشان نظر آ رہے تھے اور ڈرے ہوئے لگ رہے تھے، میں نے دبے آواز میں کہا

محمد... مجھے معاف کر دیں... وعدہ کرتی ہوں کہ آگے سے میں کچھ بھی ایسا نہیں کروں گی کہ جس سے آپ ناراض ہو جائیں ... پلیز مجھے چھوڑ کے مت جائیے۔ نیدلان! میری پیاری نیدلان! پریشان مت ہو میں ہمیشہ تمہارے ساتھ کھڑا ہوں...

اس کی آنکھوں سے محبت جھلک رہی تھی... واقعی وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ خوشی کے مارے میری آنکھیں چھلک پڑیں، میں چھلانگ لگا کے ان کے سینے سے جا لگی اور من ہی من میں کہا کہ: "ہمیں دنیا میں رہنے کا صرف اور صرف ایک ہی موقع ملتا ہے، جہاں تک ہو سکے ہمیں اس زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کوشش کرنی چاہیے"۔

☆☆☆☆

شیخ اسماعیل ہانیہ

عادل مسرور ندوی

1948 کی عرب اسرائیل جنگ کے دوران عسقلان کا ایک گاؤں "الجورۃ" مکمل طور پر تہس نہس کر دیا گیا، وہاں بسنے والے لوگ قتل کر دیے گئے اور جو لوگ کچھ سیاسی شعور اور بیداری رکھتے تھے وہ ہجرت کر گئے۔ انہی میں سے ایک خانوادہ عبدالسلام بن احمد ھنیۃ کا تھا۔ انہوں نے عسقلان کو خیرآباد کہہ کر غزہ میں پناہ لی۔ اس وقت چونکہ حالات درست نہیں تھے، جنگ وجدال کی لپیٹ ہر ایک کو جھلسا دینا چاہتی تھی پناہ گزینوں کے لیے جگہ جگہ refugee camps بنائے گئے تھے۔ عبدالسلام ھنیۃ نے انہی میں سے ایک کیمپ "الشاطیٔ ریفیو جی کیمپ" کے باہر اپنا اونٹ بٹھایا اور وہاں مقیم ہو گئے۔

حالات میں اجتماعی طور پر تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی البتہ جیسے جیسے جنگ کی دھول بیٹھنے لگی عام لوگوں نے بھی زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھایا اور جنگ کی ہولنا کیوں سے آزاد ہو کر خوشیوں کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے۔ 1962 یا 1963 کا سال تھا کہ عبدالسلام ھنیۃ کے یہاں بھی خوشی ومسرت نے دستک دی اور ایک بیٹے کی کلکاریوں سے پورا کیمپ گونج اٹھا۔ بچے کا نام اسماعیل ھنیۃ تجویز کیا گیا جس نے آگے چل کر پورے Middle Eastern Region میں اسلام کی بازیابی کے لیے وہ تاریخ ساز کردار ادا کیا کہ وقت جس کا تقاضا کر رہا تھا۔

بہر حال اسماعیل ھنیۃ کی ابتدائی تعلیم غزہ میں اقوام متحدہ کی نگرانی میں چلائے جا رہے اسکولوں سے ہوئی، اعلی تعلیم یعنی graduation کے لیے انہوں نے Islamic University Of Gaza کا رخ کیا اور وہاں سے 1987 میں عربی لٹریچر کی ڈگری کے ساتھ فارغ التحصیل ہوئے (یہ وہی سال تھا کہ جب شیخ احمد یاسین نے حماس کی داغ بیل ڈالی)۔ یونیورسٹی میں وہ باہر کے سیاسی حالات سے بھی باخبر رہتے تھے، جہاں وہ student wing کی سربراہی کے ساتھ الاخوان المسلمون کی نمائندگی بھی کر رہے تھے۔ اسی زمانے میں اسرائیلی احتلال کے خلاف وہ زبردست تحریک برپا ہوئی جسے بعد میں الانتفاظۃ الأولی کا نام دیا گیا۔ اس تحریک میں اسماعیل ہنیہ نے بھر پور حصہ لیا اور از اول تا آخر اسرائیل کے خلاف ہونے والے ہر protest، ہر demonstration، ہر مظاہرے میں پیش پیش تھے۔ اسی وجہ سے کئی دفعہ ان کو قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ 1992 میں رہائی کے بعد Israeli military authorities نے انہیں شیخ عبدالعزیز رنتیسی، محمود الزہار جیسے حماس کے عظیم رہنماؤں کے ساتھ ملک بدر کر کے لبنان بھیج دیا۔ ایک سال کے بعد وہاں سے

غزہ واپسی کے بعد Islamic University Of Gaza کے dean منتخب ہوئے، پھر احمد یاسین کی خواہش پر 1998 میں انہیں Palestinian Authority کا نمائندہ مقرر کیا گیا اور بالآخر 2004 میں شیخ احمد یاسین اور شیخ عبدالعزیز رنتیسی کی یکے بعد دیگرے شہادت کے بعد حماس کی قیادت کا بارگراں اسماعیل ہنیہ نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا۔ اسماعيل هنية بیک وقت حماس کے لیڈر اور Palestinian Authority کے پہلے prime minister بھی تھے۔ وہ اس طرح کہ شیخ احمد یاسین اور عبدالعزیز رنتیسی کی 2004 میں شہادت کے بعد حماس نے آئندہ قائد کی وضاحت نہیں کی، اس کی وجہ فلسطینی حماس لیڈرز اور syrian حماس لیڈرز کے مابین اختلاف رائے تھی۔ مگر جب 2006 کے palestinian legislative election میں حماس نے 132 پارلیمانی سیٹوں میں سے 74 سیٹیں حاصل کرکے شاندار جیت درج کرائی تب جاکر کچھ چنندہ لوگوں کے نام سامنے آئے جو حماس کی قیادت کی ذمہ داری بخوبی انجام دے سکتے ہیں، ان میں اسماعيل هنية کا نام سرفہرست تھا۔ بہرحال تب سے لے کر جام شہادت نوش کرنے تک شیخ اسماعیل ہنیہ نے اسلام کی سربلندی وسرفرازی اور اسرائیل کے ناجائز قبضے سے ملک کی مکمل آزادی کے لیے تن من دھن سب کی بازی لگا دی بلکہ سب لٹا دیا۔ اولاد کا جنازہ اپنے کندھے پر اٹھایا، احفاد کو آنکھوں کے سامنے مرتے ہوئے دیکھا، مگر صبر استقامت کا عالم دیکھیے کہ جب اولاد واحفاد کی شہادت کے بارے میں میڈیا رپورٹرز نے سوال کیا تو کہتے ہیں: دماء أبنائنا ليست أغلى من دماء أبناء شعبنا الفلسطيني.

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

اسماعیل ہنیہ شیخ احمد یاسین کی بنائی ہوئی اس سیڑھی کی تیسری لکڑی تھے جس کے سہارے فلسطینی مسلمان اسرائیلی قلعے کی آہنی دیوار تڑپ سکتے ہیں۔ اسماعیل ہانیہ کی شہادت پر غم کرنا بے فائدہ ہے، حماس کے سابق رہنما شیخ احمد یاسین شیخ عبدالعزیز رنتیسی نے بھی جام شہادت نوش کیا تھا۔ آپ اگر تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو کوئی مصلح اور حق پرست جو سچائی کو لے کر آگے بڑھا آپ کو ایسا نہ ملے گا کہ اسے شہید نہ کر دیا گیا ہو۔ ابرہم لنکن، مارٹنگ لوتھر کنگ، مہاتما گاندھی یا پھر اسرائیلی وزیراعظم Yitzhak Rabin جس نے two-state solution based on 1967 borders کے لیے حامی بھری کہ 1967 کی six day war میں جو سرحدیں تھی اس کے مطابق اسرائیل فلسطین کا بٹوارا کیا جائے جس کے Zionist یہودی سخت مخالف تھے، اسی لیے اس لبرل وزیراعظم کو مار دیا گیا۔ یہ تو دنیا کی ریت ہے، لہذا ہمیں اس موقع پر غم نہیں کرنا چاہیے۔ اسلام کے لیے شہید ہونا تو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں میں اعلی ترین نعمت ہے۔ اللہ اسماعیل ہنیہ کا نعم البدل ہمیں عطا فرمائے گا۔ ایسے وقت میں ہم نوجوان نسل کی جو ذمہ داری بنتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس مسئلے کو سمجھیں، اس کے نکات پر غور کریں، اور یہ عزم کریں جس طرح بھی ہو سکے گا دامے درمے، قدمے، سخنے اس مشن کا ساتھ دیں گے۔ ☆☆☆☆

ورفعنا لك ذكرك

(النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائی چالیس سال پر ایک سرسری نظر)

محمد کیف ممبئی

تاریخ انسانی میں آج تک کوئی ایسی شخصیت نہیں گزری جسے ہر روز یاد کیا جاتا ہو، چاہے وہ اپنے وقت کا کتنا ہی بڑا بادشاہ، فاتح، مذہبی پیشوا، فلسفی، سائنسداں رہا ہو۔ جن متکبر بادشاہوں نے خدائی دعویٰ کیا اور انسانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے کبھی ان کا ذکر کیا بھی جاتا ہے تو لعنت و ملامت کے ساتھ، اللہ کے برگزیدہ بندے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو قرآن مجید کے مطالعے کے دوران ادب واحترام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ انسانی تاریخ میں ہر روز، ہر جگہ، بار بار، مسلسل، کسی شخصیت کو یاد کیا جاتا ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت پر فائز کرنے کے بعد یہ بشارت دی: "ورفعنا لك ذكرك" (اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند فرما دیا) بشارت اس وقت دی گئی جب صرف چند مٹھی بھر افراد نے اسلام قبول کیا تھا کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مکہ کی گلیوں سے نکل کر نہ صرف جزیرہ عرب بلکہ پوری دنیا میں تسلسل کے ساتھ گونجنا شروع ہو جائے گا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشہور روایات کے مطابق ۲۰/ اپریل ۵۷۰/ عیسوی بمطابق ۹/ ربیع الاول بروز پیر مکہ شہر میں قریش کے خاندان بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ کا آپ کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ جب آپ کی پیدائش ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بی بی آمنہ غم سے نڈھال تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد بی بی آمنہ بھی وفات پا گئیں، تو پھر آپ کی پرورش کی ذمہ داری آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب پر آ گئی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب بے حد خوش ہوئے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چہیتے بیٹے عبداللہ کی اولاد تھے۔ آپ کے دادا نے آپ کا نام "محمد (جس کی تعریف کی جائے)" رکھا جو کہ اُس زمانے میں بالکل عام نہیں تھا۔ جب حضرت عبدالمطلب سے یہ نام رکھنے کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا "میرے پوتے کی تعریف پوری دنیا بیان کرے گی" یہ بات ایسی سچ ثابت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رہتی دنیا تک کے لئے زندہ وجاوید ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ غیر مسلموں نے بھی بیان کی۔ حضرت عبدالمطلب بھی زیادہ عرصے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی ذمہ داری نہ نبھا سکے، اور انتقال فرما گئے۔ اس کے بعد آپ کی ذمہ داری آپ

کے چچا ابوطالب نے اٹھالی۔اس وقت آپ کی عمر تقریباً آٹھ برس تھی۔حضرت ابو طالب کی اپنی بہت سی اولادیں تھیں مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب میں زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سلجھی ہوئی طبیعت کے مالک تھے،اور اپنی اچھی عادات کے بنا پر بچپن ہی سے ہر دل عزیز بھی تھے۔سنت انبیاء کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوعمری میں بکریاں چرانے کا کام کرتے تھے۔جب بکریاں چرانے جاتے تو تنہائی میں عرب کے لوگوں کی حالت زار پر غور کرتے اور افسوس کرتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل عرب کی حالت بدلنا چاہتے تھے چالیس برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل عرب کی حالت بدلنے کی خواہش شدت اختیار کر چکی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ تر وقت غار حرا میں گزرتا خاص طور پر ماہ رمضان میں۔ وہیں ایک روز جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی،اس کے بعد نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیا کی حالت بدل گئی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالآخر اللہ تعالی کو پالیا،اور اس کے حکم کے مطابق دین کی تبلیغ شروع کر دی،اور آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ورحمۃ اللعالمین کے لقب سے سرفراز فرمائے گئے۔

☆☆☆☆

غزۃ فلسطین

یہ اہل عشرہ ہیں ستائے ہوئے ہیں
مگر شمع ایماں جلائے ہوئے ہیں
مقابل میں باطل کے آئے ہوئے ہیں
مصیبت میں بھی مسکرائے ہوئے ہیں
ازل ہی سے نیکی بدی میں ٹھنی ہے
ہمیشہ سے نیکی ہی فاتح رہی ہے
وہی معرکہ پھر ہے ، دشمن وہی ہے
تو غزہ کے جذبوں میں بھی کیا کمی ہے
معاذ اپنے آگے بھی یہ مرحلہ ہے
زمانہ ہمارا بھی دشمن ہوا ہے
ہمارے لئے بھی وہی راستا ہے
یہ اہل غزہ نے جو رستا چنا ہے

عادل معاذ

الحمدللہ ماہنامہ سراغ زندگی کے تین سال مکمل ہوگئے۔

حالات حاضرہ میں مسلم نوجوانوں کی ذمہ داریاں

از محمد فائز

آج اگر ہم اپنے ترقی پذیر زمانے کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ زمانہ تیزی کے ساتھ ترقیات کی سیڑھی چڑھ رہا ہے اور انسان بہتر کو بہترین بنانے کی کوشش و جستجو میں منہمک ہے۔ایک طرف جستجو کی یہ شدت ہے، وہیں دوسری طرف اگر دینی اور تربیتی لحاظ سے ایک نظر موجودہ زمانے پر ڈالیں تو ہم پائیں گے کہ زمانے میں تبدیلیاں ضرور ہو رہی ہیں لیکن یہ ترقی تنزلی کے طور پر سامنے آ رہی ہے۔

قوم کے نوجوان جن کو اصلاح معاشرہ کی فکر ہونی چاہیے تھی، وہ اپنی جوانی کو فضولیات ولغویات میں ضائع کر رہے ہیں، حالانکہ قوم کی امیدیں انہیں سے وابستہ ہیں کیونکہ ہر قوم کی قوت وشوکت کا مدار اس کے نوجوانوں پر ہوتا ہے۔کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے: حياة الأمة بشبابها وموت الأمة بشبابها ترجمہ:- امت کے عروج وزوال کا دار ومدار امت کے نوجوانوں پر ہے۔لیکن حال یہ ہے کہ جب ہم نوجوانوں کو دیکھتے ہیں تو ان کو عاجز و کمزور پاتے ہیں۔وہ یا تو اپنی ان باطل خواہشات کی تکمیل میں مصروف ومشغول ہیں جس سے اللہ رب العزت نے منع فرمایا ہے یا زندگی کے معاملات میں ہر اس چیز سے اختلاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جس کا دین ان سے مطالبہ کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسباب ووسائل کی فراوانی اور مال کی بہتات کے باوجود ہمارے نوجوان ذہنی ٹینشن اور دلی بے چینی جیسے مہلک امراض میں مبتلا ہیں۔اسلامی تاریخ ایسے نوجوانوں سے بھری پڑی ہے جنھوں نے رہتی دنیا تک کے لیے اپنے ناموں کو زندہ وجاوید بنا دیا۔ان عظیم المرتبت حضرات کی فہرست میں ایک نام حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ کا بھی ہے، جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائد لشکر مقرر فرمایا جبکہ ان کی عمر صرف 18 سال تھی۔اسی طرح عمیر بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ جو اپنی اپنی عمر کے محض سولہویں سال میں تھے اس کے باوجود جنگ بدر میں شریک رہے۔اسی طرح ہمارے زمانے سے قریب ایک اور بزرگ ہستی ہے جس نے 17 سال کی عمر مکمل ہونے سے پہلے ہی سندھ کو فتح کر لیا تھا جس کو ہم محمد بن قاسم الثقفی کے نام سے جانتے ہیں۔ایک عربی شاعر کہتا ہے: ساس الرجال لسبعة عشر حجة ولداته عن ذاك في أشغال

یقیناً یہ نوجوان ہمارے لیے زندگی گزارنے کا نمونہ ومثال ہے۔اگر ہم اسی طرح زندگی گزاریں جس طرح ان حضرات نے گزاری تب تو ہم "أولئك هم المفلحون" کے مصداق ہیں، ورنہ ہمارا عذاب الہی سے بچنا ناممکن ہے۔اب مسلم نوجوانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس صراط مستقیم کی راہ اپنائیں اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیں اور

امت محمدی میں دینی اہمیت کو پیدا کریں اور اللہ تعالی کے اس فرمان کے مصداق بن جائیں "وأنتم الأعلون والله معکم ولن یترکم أعمالکم (سورۃ محمد ٣٥) تم ہی سر بلند رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال کو ہرگز برباد نہیں کرے گا) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے نصر وظفر کا وعدہ کیا ہے اور اس کے بعد فرمایا: ان تؤمنوا وتتقوا یؤتکم أجورکم اس آیت کے ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس سے اس طرح تقوی کرو جس طرح تقوی کرنے کا اس کا حق ہے تو اللہ تعالی بھی تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اپنی ذات کو عمدہ صفات اور اخلاق حسنہ سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں اور حتی الامکان صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کی طرح ایمان ویقین بنانے کی کوشش کریں۔

☆☆☆☆

وطن سے محبت ایمان کا حصہ

رسول اکرم جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب "حدیث" کا جائزہ۔

نگارش محمد حسان میر

(خصوصی ثانی، ندوۃ العلماء)

دین اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، یہ بات ہم میں سے تقریباً ہر شخص نے بارہا اپنے مذہبی رہنماؤں سے سنی ہوگی، ہم اس بات پر "بے شک" کی کڑی ضرب لگا کر اس کی تائید اور توثیق بھی کر دیتے ہیں، لیکن بہت کم لوگ اس کی گہرائی و گیرائی کی جانب متوجہ ہو پاتے ہیں، وہ ان حقائق کے ادراک سے محروم رہتے ہیں جو اس میں مخفی ہیں، دین اسلام کی وسعت اور فراخی سے بھی انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا، نتیجتاً انہیں فکری شعور اور ذہنی فہم وفراست حاصل نہیں ہو پاتی اور مقلدانہ روش کی بدولت وہ محض ایک متعین دائرے میں رہتے ہوئے اپنے افکار وخیالات کو پروان چڑھاتے ہیں جس میں علمی اور عقلی پیرائے اور زاویے کے بجائے عقیدت مندانہ پہلو اختیار کرتے ہیں جو روش واذہان کو نہ صرف منتشر کرتی ہے بلکہ متنفر بھی۔ اس لئے کہ ان کا خیال یہ ہیکہ علمائے دین نے انہیں، یا کم از کم ان کے آباء کو، (جو ان کے نزدیک علم میں ویسا رسوخ نہیں رکھتے تھے، جو انہیں حاصل ہے) پر اسرار تخیلات اور نظریات میں الجھا رکھا کہ مسلمان قوم کبھی بھی حقیقت پسند قوم نہیں بن سکی۔

اس تمہید کا مقصد یہ بات باور کروانی ہے کہ نوجوان نسل ہر بات پر دلیل کی طالب ہے، وہ عقیدت اور محبت میں آپ کی باتوں کو بہت زیادہ وقت تک ماننے کو تیار نہیں ہے۔ بہت سی ایسی باتیں جو ہمارے معاشرے میں رائج ہوگئی ہیں، ان میں ایک روایت جو وطن عزیز میں آزادی اور یوم جمہوریہ کے موقعہ پر اکثر ممبروں سے بیان کی جاتی ہے اور علماء اس کو فخریہ انداز میں

حدیث رسول بتا کر عوام الناس کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ ملک سے محبت ایمان کا جزء ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ حدیث کس کتاب میں موجود ہے؟ اس کی روایت کس درجہ کی ہے اور اس کی محدثین کے نزدیک جرح وتعدیل میں کیا حیثیت ہے؟

ہم نے جب اس حدیث کی تلاش کرنا شروع کی تو ہمارے سامنے حیرت انگیز نتائج تھے، ہم حیران و پریشان تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے اوپر افتراء باندھنے کے متعلق احکامات کا تصور ہمیں اندر سے جھنجھوڑ رہا تھا کہ آخر روز قیامت ان لوگوں کا حشر کیا ہوگا جو ایک جھوٹی، موضوع اور من گھڑت بات کو حدیث بنا کر عوام الناس کے مجمع میں بیان کررہے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی تلقین کررہے ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہے: "لَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.)

اور ارشاد ہے: عَنِ الْمُغِيْرَةِ رضی الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ: إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلٰى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.)

اب ہم مذکورہ موضوع روایت پر مدرسہ بنوری ٹاون کی تحقیق دیکھ لیتے ہیں، جس سے تمام اشکالات دور ہوجائیں گے:

"حب الوطن من الإیمان" یعنی وطن سے محبت ایمان کا جز ہے، اس قسم کی بات عوام الناس میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر مشہور ہے، جب کہ مذکورہ الفاظ کی نسبت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا درست نہیں، اس لیے کہ محدثین نے اس روایت کو موضوع یعنی من گھڑت قرار دیا ہے، جیسا کہ "موضوعات الصغاني" میں ہے:

۱- حبُّ الوطنِ منَ الإيمانِ. (موضوعات الصغاني. الصفحة أو الرقم: 53)

موضوع المقاصد الحسنۃ میں ہے:

۲- حبِّ الوطنِ منَ الإيمانِ. (المقاصد الحسنة للسخاوي، الصفحة أو الرقم: 218) قال السخاوي: لم أقف عليه.

البتہ محدثین میں سے علامہ سخاوی رحمہ اللہ مذکورہ روایت کے معنی کو صحیح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روایت اگرچہ صحیح نہیں، لیکن اس کا معنی درست ہے۔

وقال في المقاصد: لم أقف عليه، ومعناه صحيح.

جب کہ دیگر محدثین نے علامہ سخاوی رحمہ اللہ کے اس قول کو قبول نہیں کیا اور ایمان اور وطن کی محبت کے تلازم کا انکار کیا ہے، اور ایمان کے جز ہونے کا انکار کیا ہے۔

ورد القاري قوله: (ومعناه صحيح) بأنه عجيب، قال: إذ لا تلازم بين حب الوطن وبين الإيمان.

پس مذکورہ بالا تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ وطن کی محبت کو ایمان کا جز قرار دینا اور اس کی نسبت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا صحیح نہیں، البتہ بعض دیگر کچھ روایات سے وطن کی محبت کا ممدوح ہونا معلوم ہوتا ہے، تاہم ان روایات میں سے کسی سے بھی محبتِ وطن کا ایمان کا جز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

☆☆☆☆

قسط دوم

اظفر منصور

فتنوں کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیاں!

پیشین گوئی کی شرعی حیثیت!

اسلامی نقطہ نگاہ سے پیشین گوئی کا اطلاق دوطرح کے لوگوں پر ہوتا ہے، ایک جسے خود اللہ تعالیٰ اپنی وحی سے باخبر کرے، دوسرے جو کہیں سے کسی طرح کچھ اچک لے اور اسے پیشین گوئی کے طور پر بیان کردے، اول الذکر کی صفت صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے مختلف باتوں کے متعلق پیشگی مطلع فرمادیتا۔

ثانی الذکر میں ہرطرح کے لوگ یکساں ہیں، کسی نیک وصالح مسلمان کو اسکی طینت و پاکیزگی، اور زہد وتقوی کی وجہ سے پیشگی کسی چیز کا الہام ہوسکتا ہے، اسی طرح کسی غیر مسلم وگنہگاروں کو جادوگروں، کاہنوں، شیطانوں، علم ریاضیات، علم ہیئت یا خواب وغیرہ کے ذریعے کچھ پیشگی معلوم ہوسکتا ہے، ارشاد تعالیٰ ہے و حفظنا ھا من کل شیطان رجیم، الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبین﴾ (الحجر ۱۸)

لیکن انبیاء اور غیر انبیاء کے درمیان ایک امتیاز یہ ہے کہ انبیاء کرام پیشین گوئیاں سوفیصد 100 / مبنی برحقیقت اور سچی ہوتی ہیں، جبکہ غیر انبیاء کی مختلف ذرائع کی جانے والی پیشین گوئیاں ننانوے فیصد جھوٹی، اور متردد ہوتی ہیں۔

شریعت میں پیشین گوئی کی اہمیت وحیثیت اس معنی کر بھی نہایت بلند ہے قرآن مجید میں جابجا مسلمانوں کو پیشین گوئیوں کے ذریعے خوشخبری بھی دی گئی اور ڈرایا بھی گیا، فتح مکہ کی پیشین گوئی ان الفاظ میں فرمائی گئی انا فتحنا لک فتحا مبینا﴾ (سورۃ الفتح) "ہم فتح آپ کو فتح دے دی ہے" پھر چشم فلک نے دیکھا کہ محض دوسال بعد ۸ ہجری میں دس ہزار کا لشکر جرار دن کی روشنی میں لے کر آپ مکہ مکرمہ داخل ہوئے۔ اور قرآن مجید تو خود ایک پیشین گوئی اور چیلنج ہے۔ چنانچہ رب العالمین نے فرمایا: ﴿قُل لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظهيرا﴾ (الاسراء: ۸۸) اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کہہ دیں کہ اگر تمام جن اور انسان جمع ہو جائیں تاکہ وہ قرآن کی مثل کوئی کتاب بناڈالیں اور وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرلیں پھر بھی وہ قرآن کی مثل کتاب لانے پر

قدرت نہیں رکھ سکیں گے۔

اس آیت میں قرآن کی مثل کتاب لانے کا چیلنج کیا گیا اور پھر یہ بھی پیشین گوئی کردی گئی کہ وہ ایسا نہیں کرسکیں گے اگر چہ وہ سب مل کر کوشش کرلیں۔ رومیوں کے غلبے اور فارسیوں کی شکست فاش کی پیشین گوئی سورۃ الروم میں فرمائی گئی اور وہ نو سال بعد ایک عظیم فتح کے ساتھ پوری ہوئی، اسی طرح قرآن وحدیث میں بے شمار مثالیں ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیشین گوئی کی بھی ایک بڑی اہمیت ہے جس کا انکار نصوص کے انکار کے مترادف ہوگا۔

پیشین گوئیوں کے سمجھنے اور ماننے کا معیار

جو چیز نصوص (قرآن وحدیث) سے ثابت شدہ ہے اس پر یقین رکھنا جزوِ ایمان ہے، لہذا صادق ومصدوق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول چاہے اسکا تعلق اخبارِ ماضی سے ہو یا حال و مستقبل سے، یا کسی اور عمل سے ہمارے ایمان وعقیدہ کا حصہ ہے، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر پیشین گوئی خبر غیب تو ہوسکتی ہے مگر ہر خبر غیب پیشین گوئی نہیں، کیونکہ پیشین گوئی کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے۔ خبر غیب کے سلسلے میں ارشادِ ربانی تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا﴾ (ھود:۴۹) یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اور نہ تو اس (وحی) سے پہلے انہیں جانتا تھا اور نہ ہی تیری قوم۔" اور خبر مستقبل یعنی پیشین گوئی کی ایک روایت غزوہ موتہ کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ: أن النبی نعی زیدا وجعفرا وابن رواحۃ للناس قبل أن یاتیھم خبرھم فقال: أخذ الرایۃ زیدا فأصیب ثم أخذ جعفر فأصیب ثم أخذ ابن رواحۃ فأصیب وعیناہ تذرفان حتی أخذ الرایۃ سیف من سیوف اللہ حتی فتح اللہ علیھم" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر اس وقت صحابہ کو دے دی تھی جب کہ ابھی ان کے متعلق کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے جارہے تھے کہ اب زید رضی اللہ عنہ جھنڈا اٹھائے ہوئے ہیں، اب وہ شہید کردیئے گئے ہیں اور اب ابن رواحہ نے جھنڈا اٹھالیا ہے وہ بھی شہید کردیئے گئے ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (پھر فرمایا کہ اب) بالآخر اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار خالد بن ولید ﷺ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر فتح عنایت فرمائی۔" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غزوہ میں شریک نہیں تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھے ہوئے انہیں مدینہ سے کوسوں دور مقام موتہ میں ہونے والے معرکے کی پل پل کی خبریں براہ راست سنارہے ہیں، کیونکہ اس کی بنیاد سیٹلائٹ سسٹم، پرنٹ میڈیا یا کسی مصنوعی سیارہ سے رابطہ نہیں تھا بلکہ محض وحی الٰہی اور اللہ مالک الملک سے رابطہ تھا۔ ان دو مثالوں سے ثابت ہوگیا کہ جو پیشین گوئیاں پوری ہوگئی ہیں ان کا ماننا ہمارے ایمان کا حصہ ہے، خلاصہ کلام یہ کہ جو پیشین گوئیاں اب تک پوری نہیں ہوئی ہیں انہیں سمجھنا اور اشیاء وحالات پر اطلاق کرنا ذرا مشکل امر ہے،

البتہ اتنا ضرور ہے کہ جو پیشین گوئیاں صحیح احادیث سے ثابت ہیں ان پر ہمارا ایمان پختہ ہو، ورنہ کفر کی بو آسکتی ہے۔

پیشین گوئیاں کس معنی میں پوری ہوتی ہیں؟

اب ایک سوال ہنوز باقی ہے کہ پیشین گوئیاں کس معنی میں پوری ہوتی ہیں؟

شیخ مبشر حسین صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں ”پیش گوئیوں کا بنیادی طور پر تین طرح کی چیزوں کے ساتھ ربط و تعلق ہے،

(۱) شخصیات! یعنی ایسی چیزیں جو قائم بالذات (اپنا وجود رکھتی) ہیں، اس قسم میں جاندار و بے جان دونوں جنس شامل ہیں، بے جان چیزوں میں آگ، سونے کا پہاڑ یا سونے کا خزانہ وغیرہ شامل ہیں، اور جاندار چیزوں میں غیر عاقل یعنی حیوانات وتجزات، دابتہ الارض، اور عاقل یعنی امام مہدی کا ظہور حضرت عیسی اللہ کا نزول، دجال اور یاجوج و ماجوج کا خروج وغیرہ شامل ہیں۔

(۲) علاقہ جات! اس قسم میں ہر وہ جگہ شامل ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے واضح پیشین گوئی فرمادی ہو، مثلاً مکہ، مدینہ، سمت قیصر و کسری، دریائے فرات وغیرہ۔

(۳) غیر مرئیات! اسے غیر شخصیات سے متعلقہ پیشگوئیوں سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے کیونکہ بعض چیزیں غیر محسوس و غیر مرئی ہیں اگر چہ ایک لحاظ سے فی نفسہ ان کا بھی وجود ہے۔ مثلاً حضور ﷺ نے خبر دی کہ مجھے دکھایا گیا کہ فتنے اس طرح (زمین پر گر رہے ہیں جس طرح بارش کے قطرے گرتے ہیں۔ حالانکہ فتنہ ایک غیر مرئی چیز ہے اسی طرح آپ ﷺ نے قیامت کی نشانیوں میں بہت سی معنوی اور غیر مرئی چیزوں سے ہمیں پیشگی مطلع فرمادیا ہے مثلا جہالت بڑھ جائے گی، علم ختم ہوتا جائے گا، زنا، فحاشی اور بے حیائی وغیرہ جیسی معنوی چیزیں بہت زیادہ بڑھ جائیں گی۔ (پیشین گوئیوں کی حقیقت ص ۶۴ تا ۶۸)

یہ وہ ذرائع و معنی ہیں جہاں سے پیشین گوئیاں پوری ہوتی ہیں، اور انہیں ذرائع کو علامات بھی کہا جاتا ہے۔

(جاری......)

☆☆☆☆

سراغ زندگی کے لئے اگر مضامین، تخلیقات، تاثرات، تبصرے وغیرہ بھیجنا چاہتے ہیں تو آخری صفحے پر درج معلومات کے مطابق رابطہ کریں۔

شہدا سٹریٹ کا ایک کم سن بچہ

14 سالہ یزن الشرباتی

مترجم عبداللہ ثاقب

مجھے نہیں لگتا کہ دنیا میں کہیں بھی کسی کم سن بچے کی زندگی ویسی ہوگی جیسی زندگی میں اور میرے ارد گرد کے بچے گزار رہے ہیں۔ ہماری روزمرہ کی زندگی سکون اور عزت کے ساتھ گزارنے کے خواب سے دوچار ہے، گو کہ ہم ابھی بچے ہیں مگر خون خرابے کے بارے میں ذرا بہت ہی جانتے ہیں۔ اکثر اوقات ہم کھیل کود اور ہنسی ٹھٹے کے متعلق سوچنے میں ہی صرف کرتے ہیں۔

شہدا سٹریٹ (شارع الشہدا) فلسطینی شہر الخلیل (Hebron) کے جنوب میں واقع ایک نہایت تنگ سی گلی ہے، سینکڑوں مسلح فوجیوں، غاصب شہریوں، چوکیوں اور گونا گوں حصاروں سے بھری یہ گلی اتنی تنگ اور پر پیچ ہے جس کا آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ بہر حال یہ جگہ مجھ میں اتنی ہی رچی بسی ہے، جتنا کہ میں اس میں رچا بسا ہوں۔ اگر کبھی میں اس کو چھوڑ کر جانا بھی چاہوں تو بھی نہیں جا سکوں گا۔ اسی استعماری اور غیر انسانی سلوک کے آغاز سے ہی، ہم شہدا سٹریٹ کے رہنے والے غاصب شہریوں کے نشانے پر رہے ہیں۔ جو ہمارے گھروں کو چھیننے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ان کی ایسا کرنے کے لیے خوب پشت پناہی کی جا رہی ہے۔ ہمیں یوں تو اس بات کی شد بد دودھ پینے کی عمر سے ہی ہے چونکہ ہم کوئی عام فلسطینی نہیں بلکہ شہدا سٹریٹ کے باسی ہیں۔

ایک روز جب میں اکیلے سڑک پر ٹہل رہا تھا، اور کم از کم مجھے اس روز کسی خطرے کا امکان نہیں لگ رہا تھا، کیونکہ وہ یہودیوں کا مبارک "شباط" (Shabbat) کا دن تھا، عموماً اس روز کوئی لڑائی جھگڑا نہیں وجود میں آتا تھا۔ اچانک مجھے شور سنائی دیا مگر میں نے جان بوجھ کر ان سنا کر دیا اور اپنے میں مگن ٹہلتا رہا۔ ذرا آگے بڑھتے ہی مجھے چند اسرائیلی غاصب شہریوں نے آگھیرا۔

میں نے سوچا یہ لوگ مجھے حسبِ معمول گالیاں بکیں گے اور پھر میں اپنے رستے ہو لوں گا مگر اس مرتبہ ایک ایک کر کے سب لوگوں کے گالیاں دے چکنے کے بعد ان میں سے ایک نے مجھ پر تھوکنا شروع کر دیا۔ جیسے ہی میں رک کر کچھ سمجھ پاتا ان میں سے ایک نے مجھ پر حملہ کرنا شروع کر دیا اور پھر ایک ایک کر کے سب مجھ کو پیٹنے لگے۔ میں نے کچھ دیر مار پیٹ برداشت کرنے کے بعد ان کے اوپر چلانا شروع کر دی، آواز سن کر ایک فوجی نے آ کر ان کو مجھ سے دور کیا اور میرا شانہ پکڑ کر وہی کچھ کرنے لگا جس کے ہم عادی ہو چکے تھے۔ مجھے لگا تھا اس فوجی میں شاید کچھ انسانیت باقی ہوگی مگر میں غلط تھا۔ اس نے مجھے لاتوں گھونسوں سے مارنا شروع کر دیا، میں درد کی وجہ سے چلاتے ہوئے اپنے آس پاس تماشائی فلسطینی شہریوں سے مدد کی گہار

لگا تا رہا۔ سارے غاصب صہیونی شہری مجھے جھٹلاتے ہوئے فوجی کو گڑھی ہوئی کہانیاں سنانے لگے کہ پہلے اس بچے نے ہمیں مارنا شروع کیا وغیرہ وغیرہ۔ میں بس حیرت سے یہ سب دیکھے جا رہا تھا۔

وہ فوجی پھر مجھے قریب کی چوکی لے کر گیا اور وہاں سے دیگر پولیس اہلکار مجھے قریۂ اربع (kiryaat arba) کے پولیس اسٹیشن لے کر گئے۔ کچھ دیر کے بعد مجھے تفتیشی کمرے میں لے جایا گیا حالانکہ میں سوچ رہا تھا کہ میں تو ایک ستم زدہ ہوں مجھے یہاں کیوں لے جایا جا رہا ہے؟ مجھے مسلسل تفتیشی افسر کچھ بولنے پر مجبور کیے جا رہا تھا اور میں بار بار اس کو انکار کیے جا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ نہ جانے مجھے غاصب شہریوں اور پولیس اہلکاروں کی مار سے کتنے گہرے زخم آئے ہوں گے۔

میں نے مکمل ایک دن پولیس چوکی میں گزارا۔ دن گزرنے کے بعد ایک پولیس افسر عبرانی زبان میں لکھا ایک پیپر میرے سامنے لایا اور مجھے بغیر کچھ بتائے کہ اس میں کیا لکھا ہے، دستخط کرنے کے لیے مجبور کرنے لگا۔ یہ تو مجھے بعد میں معلوم چلا کہ اس میں "مَیں آئندہ اس طرح کی کوئی حرکت نہیں کروں گا" جیسا کچھ لکھا ہوا تھا۔ میری تصویر کھینچ کر اور بقیہ معلومات حاصل کر کے مجھے چھوڑ دیا گیا۔ گو کہ میں بہت طویل وقفے کے لیے گرفتار نہیں ہوا تھا مگر اس ایک حادثے نے مجھے کئی زاویوں سے مکمل طور بدل کر رکھ دیا۔

گرفتاری یا پسِ زنداں کرنا ہم فلسطینی بچوں کے لیے کوئی بہت نیا یا ڈراونا حربہ نہیں ہے، جو ہمارے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ ہم ہر لحہ استعمار کے رحم و کرم کے تحت زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، ہم پولیسیا کتوں کے حملے اور غاصب شہریوں کی ہم پر پتھر بازی یا آتش خیز مادوں جیسی چیزوں کا روزآنہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ ساری غیر انسانی حرکتیں ہماری زندگیوں کو پہلے دن سے پریشان کر رہے ہیں۔ میری معصومانہ اور غیر قانونی گرفتاری نے مجھے اپنی زمین پر رہنے کے لیے مزید حوصلہ فراہم کیا ہے۔ میں فی الحال شہدا اسٹریٹ پر واقع اپنے آبائی گھر میں اس حوصلے کے ساتھ رہ رہا ہوں کہ میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔

☆☆☆☆

سلام کی اہمیت

جب تم پر سلام کیا جائے تو اس سے اچھے طریقہ سے جواب دو۔ اور جب تم پر کوئی احسان کرے تو اس سے بڑھ چڑھ کر بدلہ دو اگرچہ اس صورت میں بھی فضیلت پہل کرنے

نزولِ مصائب کے اسباب

محمد زید بہرائچی

مصائب وآلام اور تکالیف وحوادث انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہیں، اس فانی دنیا میں عمرِ عزیز کی چند ساعتیں عیش کی گھنی چھاؤں میں بڑے سکون سے گذرتی ہیں اور کچھ گھڑیاں رنج کی جھلساتی ہوئی دھوپ میں کٹ جاتی ہیں، حیاتِ مستعار کے آنگن میں کبھی مسرتیں ڈیرے ڈال کر لمحات کو خوشگوار بنا دیتی ہیں تو کبھی غم واندوہ کے جھکڑ خوشیوں کے آشیانے کو تنکا تنکا کر دیتے ہیں، رنج والم سے عبارت یہ زندگی کی ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی اپنے دامن میں زمانے کی تلخ وشیریں یادیں لیے ہوئے آخر موت کے ساحل پر لنگر انداز ہو جاتی ہے۔ یہ سفرِ حیات اتنا کٹھن کیوں ہے؟ مصیبتیں کیوں انسان کو گھیر لیتی ہیں؟ خدا تو اپنے بندے سے ماؤں سے ہزاروں گنا بڑھ کر پیار کرتا ہے پھر انھیں آزمائش کی چکی میں کیوں پیستا ہے؟ اس سوال کا جواب پانے کے لیے بنیادی طور پر یہ ذہن نشین کر لیں کہ اللہ تعالی نے قرآنِ کریم میں جابجا اپنی صفت حکیم ذکر فرمائی ہے اور حکیم ایسی ذات کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا لہٰذا آفات وبلیات کے نازل ہونے میں بھی اس کے حکیمانہ فیصلے اور دانشمندانہ امر کو دخل ہوتا ہے۔ اب وہ کون سے اسباب ووجوہات اور کیا مصلحتیں ہیں جن کی وجہ سے بلائیں اترتی ہیں؟ تو قرآن وسنت کے علوم کی روشنی میں اہلِ علم نے پانچ وجوہات کا تعین کیا ہے۔

نزولِ مصائب کی پہلی وجہ مومن بندے کی آزمائش ہوتی ہے، اللہ کی ذات علام الغیوب ہے لیکن اہلِ دنیا پر واضح کرنے کے لیے کہ میرا بندہ مصیبت آنے پر صبر کرتا ہے یا بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے، مختلف طریقوں سے آزماتا رہتا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (البقرۃ: ۱۵۵) ’’اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک سے دوچار کر کے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں میں نقصان کر کے ضرور آزمائیں گے‘‘۔ آفات کے نازل ہونے کا دوسرا سبب مسلمان کے گناہوں کا کفارہ ہے، اللہ تعالی مصیبت میں مبتلا فرما کر گناہوں کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیتے ہیں اور آخرت کی سزا سے بچا لیتے ہیں، صحیحین میں حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَا يُصِيبُ المسلمُ من نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ حتّى الشوكةِ يُشَاكُهَا إلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بها مِنْ خَطَايَاهُ ’’مومن مرد کو جو بھی دکھ اور جو بھی بیماری اور جو بھی پریشانی اور جو بھی اذیت پہنچتی ہے یہاں تک کہ اس کو کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالی اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کی صفائی کر دیتا ہے‘‘ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ منقول ہیں حَطَّ عنه من سَيِّآتِهِ كما تَحُطُّ الشجرةُ وَرَقَها ’’اللہ تعالی (اس مصیبت کی وجہ سے) اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جیسے

خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔حوادث وآلام پیش آنے کی تیسری علت نیک اور متقی لوگوں کے درجات کو بلند کرنا ہے، انبیاء، اولیاء اور سلفِ صالحین کی سوانح پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں بڑے کٹھن حالات اور دشوار گذار مراحل آئے ،سننِ ترمذی میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ایّ الناسِ أشَدُّ بَلَاءً؟ سب سے سخت تکلیفیں کن لوگوں پر آئیں ؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا الانبیاء ثم الامثل فالامثل ''سب سے زیادہ مصیبتیں انبیاء پر آئیں، پھر وہ جوان کے طریقے کے زیادہ قریب ہیں اور پھر وہ جوان کے طریقے کے زیادہ قریب ہیں''۔ان جلیل القدر شخصیات کے اللہ تعالی کے مقرب ومحبوب ہونے کے باوجود ان پر تکالیف اس لیے آئیں تا کہ اللہ تعالی انھیں اپنے ہاں مزید بلندی درجات سے نوازے ،مسندِ احمد میں محمد بن خالد اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إنّ العبدَ إذا سَبَقَتْ لَه مِنَ اللّٰهِ منزلةً لَمْ يَبْلُغْهَا بِعمله ابتلاهُ اللّٰهُ فی جسدِهٖ أوْ فِي مالِهٖ أوْ فِي وَلَدِهٖ ثم صَبَرَهٗ على ذلك حتى يُبْلِغَهٗ المنزلةَ التى سَبَقَتْ له مِنَ اللّٰهِ ''کسی مومن بندے کے لیے اللہ تعالی کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہو جاتا ہے جس تک وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالی اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اس کو صبر کی توفیق دیتا ہے؛ یہاں تک کہ بندہ (ان مصائب اور تکالیف پر صبر کرنے کی وجہ سے) اس بلند درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو اس کے لیے پہلے سے طے ہو چکا تھا''۔ناموافق حالات کے درپیش ہونے کی چوتھی وجہ غافل انسان کو متنبہ اور خبردار کرنا ہے، اللہ تعالی بندے سے غفلت کی چادر کو اتارنے اور اسے اپنی بندی اور اطاعت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس پر مصائب اتارتے ہیں، فرمانِ خداوندی ہے وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (احزاب: ۴۲) ''اور ہم ان (نافرمانوں) کو بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب چکھاتے ہیں تا کہ وہ باز آجائیں''

زندگی کی الجھنوں ،مشقتوں اور مصیبتوں کا آخری اور عمومی سبب انسان کی بدعملی ،فسق و فجور، خدا کی حکم عدولی اور شریعت کے احکام سے روگردانی ہے۔اللہ تعالی جب گناہوں کی وجہ سے اپنے بندے پر ناراض ہوتا ہے تو اس پر اپنی رحمت کے دروازے بند کر دیتا ہے اور اس کی زندگی سے راحت وسکون ختم کر دیتا ہے جس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ مسرت و شادمانی کے تمام اسباب و وسائل کے ہوتے ہوئے بھی دل بے چین رہتا ہے۔خلاقِ عالم نے اپنے مقدس کلام میں بارہا اس حقیقت کو آشکار کیا ہے؛چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے وَمَآ أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (شوری: ۳۰) ''اور جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ ان اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمائے ہیں'' دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ (طہ: ۱۲۴)

)''اور جس شخص نے میری یاد سے منہ موڑا تو بلاشبہ اس کی زندگی تنگ ہوجاتی ہے اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے'' قرانِ کریم میں گذشتہ ہلاک شدہ اقوام وامم کا متعدد مقامات پر تذکرہ ہے اس کا سبب بھی ان کی سرکشی، نافرمانی اور اور وقت کے نبی کی تعلیمات سے انحراف کو بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات میں مختلف گناہوں کو مختلف مصیبتوں کے نازل ہونے کا سبب بتایا ہے۔

☆☆☆☆

قرآن مجید صرف مسلمانوں کی کتاب نہیں!

محمد ارقم سندیلوی

اے لوگوں یاد رکھو!

نزول قرآن کا مقصد اصلی ہدایت ہے، اگر زندگیوں میں انقلاب چاہتے ہو ایمانی انقلاب، اسلامی انقلاب، دینی انقلاب، فطرت سلیمہ کے مطابق انقلاب، تو آؤ اور قرآن کو سینے لگاؤ، قرآن کے مقصد اصلی کو سمجھو، آؤ اے انسانوں دین فطرت کا مطالعہ کریں، آؤ ہندوؤں پر میشور کے آخری میسج کی study کریں، آؤ اے عیسائیوں God کا آخری میسج دیکھیں کیا ہے؟ وہ میسج جس میں تا قیامت کسی تبدیلی وتحریف کی کوئی گنجائش نہیں، جو ہر طرح کی تحریف وتبدیلی سے پاک ہے جو سراسر ہدایت ہی ہدایت ہے پوری انسانیت کے لیے، جو تمھاری بھی ہے ہماری بھی ہے، یہ صرف مسلمانوں کی جاگیر نہیں ہے، یہ تو مسلمانوں کی خامی ہے کہ انھوں نے تم کو اس سے دور رکھا، انھوں نے خدا کے اس آخری میسج کو تم تک پہنچایا نہیں ہے، لہذا آؤ اے لوگوں! اور انصاف کی عینک لگا کر قرآن کا مطالعہ کرو، خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، اور گذشتہ زندگی پر افسوس ہوگا اور ایک نئی زندگی کی ابتداء ہوگی، ورنہ روز حشر "یا لیتنی کنت ترابا" کچھ فائدہ نا دے گا، لہذا وقت ہے، اور پرمیشور نے اللہ نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے۔

صرف احتجاج سے کیا ہوگا؟

اظفر منصور

پوری دنیا میں جمہوری نظام حکومت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ یہ عوام کا ہی منتخب کردہ ہوتا ہے، جسے وہ اپنی صوابدید سے مختلف نمائندوں کے ذریعے متعین کرتے ہیں، مگر جب یہی نظام ان کے حقوق پر ڈاکہ زنی کرنے لگے، ان کے مسائل حل کرنے کے بجائے ان پر مختلف قسم کی بیجا سختیاں اور قوانین تھوپے جانے لگیں تو یہی جمہوریت عوام کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ اپنی ناراضی کا اظہار مناسب طرز پر کریں، چنانچہ ملک عزیز ہندوستان میں بھی خانگی مسائل اور حکومت سے اختلاف کے نتیجے میں احتجاج و پروٹسٹ کا تصور رہا ہے، انگریزی استبداد سے خلاصی کے لئے جو عمل سب سے زیادہ محرک بنا وہ یہی احتجاج ہے، تاریخ کے صفحات میں ہمیں جا بجا ایسی تحریکیں سراپا احتجاج ملتی ہیں جس کی وجہ سے یہ ملک آج نہایت فخر سے آزادی کے نغمے گا رہا ہے، ہندوستان چھوڑو تحریک، سول نافرمانی تحریک، ستیہ گرہ تحریک، ریشمی رومال تحریک وغیرہ کے کارنامے احتجاج کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں، آزادی سے قبل عوام کو احتجاج کی اجازت نہیں تھی مگر جب ملک پر آزادی کا سنہری دور آیا تو ایک شق (۱۹) حق احتجاج کے لیے متعین ہوئی، جس کا مقصد صرف یہی ہے کہ عوام اپنے خلاف بننے والے قوانین کے سلسلے میں اپنی ناراضی کا اظہار کھل کر کر سکیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ حکومت چارو ناچار سرینڈر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے، اور عوامی مطالبات تسلیم کئے جاتے ہیں۔

تلخ تلخ سفر

ماضی قریب میں بھی کئی احتجاجی تحریکیں برپا ہوئیں، NRC کے موقع پر شاہین باغ تحریک نے حکومت کو ہلا کر رکھ دیا تھا، اسی طرح سے سنگھو بارڈر پر کسانوں کا احتجاج بھی اپنے مطالبات میں ایک حد تک کامیاب ہوا، چند دنوں قبل ڈرائیوروں کے احتجاج کے سامنے سرکار جھکی، ابھی تازہ ترین بنگلہ دیش میں تختہ پلٹ کا واقعہ بھی اسی احتجاج کے نتیجے میں پیش آیا، اس کے باوجود اگر کوئی یہ سوال کرے کہ احتجاج سے کیا ہوگا تو پھر ہمیں اس کی نبض ٹٹول لینا چاہیے، کہ آیا وہ بقید حیات ہے یا روح پرواز کر چکی ہے۔

قارئین!

آج ہم مسلمانوں پر بھی چوطرفہ مسائل حائل ہیں، ہر طرف سے ہمیں کمزور کرنے اور دکھانے کی کوشش کی جارہی ہے، اور کوشش وسازش میں کامیاب بھی ہوتی جارہی ہے، اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم نے ضد چھوڑ کر مصلحت کی چادر اوڑھ لی ہے، ہم نے حکومت کو یہ بتانا چھوڑ دیا ہے کہ اگر ہمارے اصول و نظام سے چھیڑ چھاڑ کی تو ہم احتجاج کی بانگ درا بلند کریں گے کہ

آسمان وزمین تک دہل کررہ جائیں گے، نہ جانے کس نے ہماری تنظیموں کے قائدین کو یہ خبر دے دی کہ جمہوریت کے اس ماحول میں جہاں ہرطرف شور وہنگامہ برپا ہے وہاں مسئلے کا حل خاموشی اور سکوت ہے، وقف بورڈ کا مسئلہ امروز پارلیمنٹ میں چلانے کی کوشش کی جارہی ہے، ایسے موقع پر سرکار کو قانونی کاروائی کی دھمکی کے ساتھ احتجاجی قوت کے مظاہرے کی بھی دھمکی دینی چاہیے، کیونکہ وقف بورڈ چاہے جس طرح بھی کام کررہا ہو اس سے قطع نظر اس کی حفاظت بہت ضروری ہے، ورنہ یہ شرپسند عناصر اپنی ان سازشوں کو بروئے کار لانے میں بالکل وقت نہیں لگائیں گے جنہیں ہم ہندو راشٹر جیسی اصطلاحات سے جانتے ہیں۔

قائدین کو چاہیے کہ ہم احتجاجی دستور کا فائدہ اٹھائیں، اور ہر مسئلے کو عدالت وکورٹ کے حوالے کرکے ٹھنڈے بستے میں نہ ڈال دیں، قوم منتظر ہے، اس سے پہلے کہ قوم مایوس ہوجائے، ان کا استعمال کریں، ان کی حمیت کو جگا کر رکھیں، وگرنہ عین موقع پر جب آپ صدا دیں گے تو اس وقت ہندوستان کی دیواروں سے یہی صدائے بازگشت آئے گی کہ جنہیں آپ آواز دے رہے ہیں وہ تو بہت دور جا چکے ہیں، انہیں تو ان حالات سے ڈر لگتا ہے، وہ مقید موت پسند کریں گے مگر میدان کی نہیں۔ یعنی پوری انسانی دنیا "صم بکم عمی" کی مثال ہوگی۔

☆☆☆☆

ایک خشک زمین کے لئے بارش کا پانی جو کام کرتا ہے، وہی کام شہید قائد کا خون قضیۂ فلسطین کی زمین پر کرے گا۔ آرزوؤں کی کھیتیاں لہلہائنگی، امیدوں کے باغ سرسبز و شاداب ہونگے، آزادی کی بہار آئے گی اور مایوس ہوچکی نگاہیں دوبارہ امید سے روشن ہوجائینگی۔

شہید قائد کے خون کے ایک ایک قطرے سے جوش وولولے سے سرشار نوجوانوں کی ایک نئی نسل پروان چڑھے گی۔ یہ نسل شہید قائد کے ہی نقش قدم پر، چلتے ہوئے نہیں بلکہ اس کو چومتے ہوئے آگے بڑھے گی اور اسی منزل پر جاکر دم لیگی جہاں اس کے سروں پر یا تو حریت وآزادی کا یا شہادت کا تاج سجا دیا جائے گا اور پھر اس کے استقبال کے لئے خود شہید قائد اس کے سامنے ہونگے۔ بقول شعیب احسن اعظمی

سر کٹا ہے یا ایک قندیل روشن ہوگئی

خون یا عزم نے لکھی ہے تازہ داستاں

فرحان وسیم

نبوت کا مقصد تعمیر انسانیت!

از قلم: محمد عبداللہ قاسمی، لاتور، مہاراشٹر

انسانیت پر خداوند قدوس کے بے شمار احسانات میں سے سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے انسانی تاریخ کے ہر دور میں انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا، رسولوں کے سلسلہ اختتام پر سیدنا وحبیبنا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جہان رنگ و بو میں مبعوث فرمایا اور ان کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا؛ جس کا نتیجہ ہے کہ اس دنیا میں صالح افراد، صالح ترین معاشرہ نبوت ہی کا تیار کردہ ہے۔ اور اسی کے پاس قلب کو گرمانے نفس کو جھکانے اور جمانے، نیکی اور پاکبازی کی محبت، گناہ اور بدی سے نفرت پیدا کرنے، مال و زر، ملک و سلطنت، عزت و وجاہت اور ریاست وتفوق کی سحر انگیز ترغیبات کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کرنے کی صلاحیت ہے اور وہی افراد جوان صلاحیتوں کے مالک ہوں دنیا کو ہلاکت سے اور تہذیب جدید کو تباہی سے بچا سکتے ہیں۔

نبوت نے دنیا کو سائنس کا علم نہیں دیا، ایجادیں نہیں عطا کیں، اس کو نہ اس کا دعوی ہے اور ایسا نہ کرنے پر شرمندگی اور معذرت، اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے دنیا کو وہ افراد عطا کئے جو خود صحیح راستہ پر چل سکتے ہیں اور دنیا کو چلا سکتے ہیں اور ہر اچھی چیز سے نفع اٹھا سکتے ہیں، دوسرں کو نفع پہنچا سکتے ہیں مزید طرہ یہ کہ ہر قوت اور نعمت کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں جو اپنی زندگی کے مقصد سے واقف اور اپنے پیدا کرنے والے سے آشنا ہیں، اس کی ذات سے استفادہ کرنے اور اس سے مزید نعمتیں حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اُنہیں کا وجود نبوت کا اصل سرمایہ اور اُنہیں کی تربیت نبوت کا اصل کارنامہ ہے لیکن اس کے برعکس بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ زندگی سے خفا رہتے ہیں، لب پر ہمیشہ ہی شکوے وشکایات ان کی عادت بن جاتی ہے۔ حالات کے سازگار نہ ہونے کا گلہ کر کے وہ اپنی نااہلی اور کمزوری کو چھپانا چاہتے ہیں اگر آپ صبح کو دیر سے اٹھنے کی عادت بنالیں اور صبح سویرے کی خوش گوار ہوا، اور رحمتوں و برکتوں سے مستفیض ہونے کے بجائے بستر پر لیٹے لیٹے کسی بیماری کو دعوت دینا ہی عقل مندی یا فیشن تصور کرنے لگیں تو اس میں زندگی کا کیا قصور ہے۔ برکتوں سے محرومی، بیماری، تساہل مزاجی خود ہی اپنے لیے پیدا کی گی ہے۔ دراصل بات صرف بات یہ ہے کہ: جو کچھ نہیں کرتے وہ شکایات کرتے ہیں، اور اس کے برعکس جو باشعور لوگ صبح سویرے اٹھتے ہیں، خدا کی عطا کردہ برکتوں سے اپنا دامن بھرتے ہیں، پھر اپنے معاش کے لیے تگ ودو کرتے ہیں، قدرت ان پر مہربان ہوتی ہے، اور وہ کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ صدیوں پہلے فخر کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ فجر وعصر کے بعد سونا نہیں چاہیے یہ صحت

کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ (ویکرہ فی اول النہار و فیما بین المغرب والعشاء فتاوی ھندیہ ج ۵ ص ۳۷۶. دار الکتاب دیوبند)

آج پوری دنیا نے تسلیم کرلیا کہ ان اوقات، میں مستقل سونا طبی لحاظ سے نقصان دہ ہے؛ جدید سائنس کہتی ہے کہ ان اوقات میں مستقل سونے کی عادت اپنانے والوں کو[۹] مہلک بیماریاں لگ جاتی ہیں۔

اگر ان اوقات میں ورزش کی جائے تو صحت پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانا پینا سادہ رکھیں اور تھوڑی سی بھوک رکھ کر اُٹھ جایا کریں۔ آج پوری دنیا کی سائنس وٹیکنالوجی اور طبی دنیا مانتی ہے کہ سادہ خوراک سے صحت بہتر ہوتی ہے اور زیادہ کھانے سے معدے خراب ہوتے ہیں اور بیسوں بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ سیرت نبوی وتعلیمات نبوی درحقیقت ایک عملی قرآن کا نام ہے جس میں تمام اسلامی تعلیمات اور ان پر عمل کرنے کے طریقے سموئے ہوئے ہیں۔

خلاصہ

مختصر یہ کہ کردار کی تعمیر، عقیدہ کی پختگی، اخلاق کی بالیدگی اور ایمان کی تخم ریزی و پرورش کے لیے تعلیمات نبوی وسیرت نبوی سے زیادہ مؤثر کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی۔

☆☆☆☆

نوجوانوں کے نام کھلا خط!

اپنے آپ کو اسمارٹ فون کی لت سے باہر نکالیے، یہ آپ کو تباہ کردے گی

تحریر: چیتن بھگت

ترجمہ: نایاب حسن

عزیز دوستو!

مجھے نہیں معلوم کہ ایک بڑے اخبار میں شائع ہونے کے باوجود یہ خط آپ تک پہنچے گا بھی یا نہیں؛ کیوں کہ آپ میں سے بہت سے لوگ اپنے فون میں مشغول ہوں گے، ویڈیو دیکھ رہے ہوں گے، ویڈیو گیم کھیل رہے ہوں گے، اپنے دوستوں کے ساتھ چیٹ کررہے ہوں گے، سوشل میڈیا پر کمینٹ کررہے ہوں گے یا خوب صورت سلیبرٹیز کی پروفائلز کو سکرول کررہے ہوں گے، ایسے میں ایک مضمون پڑھنا یقیناً آپ کی ترجیحات کی لسٹ میں سب سے نیچے ہوگا۔

پھر بھی اگر اس تحریر پر آپ کی نظر پڑے، تو آپ اسے ضرور پڑ

هیں۔ یہ اہم مضمون ہے اور اس کا راست تعلق آپ کی زندگی سے ہے۔آپ فون پر اپنی زندگی برباد کررہے ہیں۔ہاں! آپ ہندوستان کی پہلی نوجوان نسل ہیں، جسے اسمارٹ فونز اور سستا انٹرنیٹ ڈیٹا ملا ہوا ہے اور آپ اس پر روزانہ گھنٹوں صرف کرتے ہیں۔

موبائل فون کے سکرین پر صرف کیے جانے والے وقت کا جائزہ لیں،تو روزانہ کے حساب سے پانچ سات گھنٹے بنتے ہیں۔جو لوگ ریٹائرڈ ہیں یا اپنی زندگی میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں،وہ موبائل فون پر گھنٹوں صرف کر سکتے ہیں،مگر ایک نوجوان، جسے ابھی اپنی زندگی شروع کرنی ہے،وہ ایسا نہیں کرسکتا۔

پانچ گھنٹے آپ کی حالتِ بیداری کا ایک تہائی اہم حصہ ہے یا یہ کہیں کہ آپ کی زندگی کا ایک تہائی حصہ ہے۔سگریٹ یا دوسری منشیات کی طرح یہ فون کی لت بھی آپ کی زندگی کے ایک حصے کو کھاتی جارہی ہے،اگر ایسا ہی چلتا رہا،تو آپ کی پوری نسل ایک 4Gotten (فراموش شدہ) نسل بن کررہ جائے گی،ایک ایسی نسل جسے 4G کی لت لگی ہوئی ہے،جس کا زندگی میں کوئی ہدف نہیں اور جو اپنی قوم و ملک کی ضروریات کے تئیں جاہلِ مطلق ہے۔

فون کی لت کے درج ذیل تین بنیادی منفی اثرات ہیں:

سب سے پہلا تو یہ کہ یہ وقت کی بربادی کا باعث ہے، جسے کسی دوسرے نفع بخش کام میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔آپ تصور کیجیے کہ اگر روزانہ فون پر استعمال ہونے والے تین گھنٹے آپ بچاتے ہیں اور انھیں کسی دوسرے کام مثلاً ورزش کرنے،کوئی ہنر سیکھنے،مطالعہ کرنے،کوئی اچھی جاب تلاش کرنے،کوئی کاروبار شروع کرنے میں استعمال کرتے ہیں،تو اس سے آپ کو کتنا فائدہ ہوسکتا ہے اور آپ کہاں سے کہاں تک پہنچ سکتے ہیں!

دوسرا یہ کہ فون پر بیکار،غیر مفید چیزیں دیکھنے سے آپ کی قوتِ مدرکہ متاثر ہوتی ہے۔ہمارے دماغ کے دو حصے ہیں:ایک جذباتی اور دوسرا ادراکی یا علمی۔تندرست اور صحیح سالم دماغ وہ ہے جس کے دونوں حصے کام کرتے ہوں۔جب آپ بیکار چیزیں دیکھتے ہیں،تو آپ کے دماغ کے علمی حصے پر منفی اثر پڑتا ہے اور اس کی قوتِ کار کم ہوتی جاتی ہے۔پھر بتدریج آپ کی قوتِ فکر،قوتِ استدلال ختم ہونے لگتی ہے۔آپ کے اندر مختلف نقطہ ہائے نگاہ کے فہم کی صلاحیت نہیں رہتی مختلف حالات کو سمجھنے اور برتنے کی قوت نہیں رہتی،مثبت و منفی احوال کی درست تشخیص اور اس کے مطابق فیصلہ لینے کی صلاحیت نہیں رہتی۔

جب آپ کے دماغ کی قوتِ مدرکہ کام کرنا بند کردیتی ہے،تو پھر آپ صرف اس کے جذباتی حصے سے کام لیتے ہیں۔سوشل میڈیا پر برپا ہونے والے تنازعات، پولرائزیشن،سلیبریٹیز یا سیاست دانوں کے تئیں بہت زیادہ محبت یا نفرت کا اظہار،کسی خاص ٹی وی اینکر کا مشہور ہونا یہ سب وہ مقامات ہیں، جہاں دماغ کے جذباتی حصے سے کام لیا جاتا ہے اور علمی و منطقی حصے سے کام نہیں لیا جاتا۔ جو لوگ محض جذباتی سوچ سے کام لیتے ہیں وہ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہوپاتے۔اس سے نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ اپنے دماغ کو بیکار چھوڑنے کی بجائے اسے زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز امور میں استعمال کیجیے۔

تیسرا یہ ہے کہ مسلسل گھنٹوں سکرین پر گزارنے سے آپ

کا حوصلہ اور انرجی کم ہوتی جائے گی۔ زندگی میں کامیابی تب ملتی ہے، جب کوئی ہدف مقرر کیا جائے، اس کے تئیں پر امید رہا جائے اور اس کے حصول کے لیے جاں توڑ کوشش کی جائے۔ جبکہ مستقل موبائل اسکرین سے چپکے رہنا آپ کو سست بناتا ہے۔ آپ کی شخصیت کے اعماق میں خوف کی نفسیات پیدا کر دیتا ہے، پھر آپ کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے گھبرانے لگتے ہیں، آپ کو یقین ہی نہیں ہوتا کہ وہ کام آپ کے بس کا ہے۔

پھر آپ اپنی اس نفسیات پر قابو پانے کی بجائے خارج میں اپنی ناکامی کے اسباب کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ اپنے دشمن تلاش کرتے ہیں مثلاً موجودہ برے سیاست دان، گذشتہ سیاست دان، مسلمان، بالی ووڈ میں چل رہی اقربا پروری، مال دار لوگ، مشہور افراد یا کوئی بھی ایسی شی جسے آپ اپنی ناکام زندگی کا ذمے دار ٹھہرا سکیں۔ یہ درست ہے کہ ہمارے ملک کا سسٹم خراب اور ناموافق ہے۔ مگر سوشل میڈیا پر بیٹھ کر اپنا وقت برباد کرنے سے آپ کو کچھ نہیں ملنا، ہاں اگر آپ اپنی ذات پر محنت کریں تو اس سے فائدہ ہوگا۔

☆☆☆☆

تسلیم جہاں پر کون بولے گا؟

ایک طرف کولکاتا کے اسپتال میں ایک خاتون ڈاکٹر کی آبروریزی اور قتل کے واقعہ پر ملک بھر میں غم وغصہ کا اظہار کیا جارہا ہے وہیں بی جے پی کی حکمرانی والی ریاست اتراکھنڈ میں تسلیم جہاں نامی نرس کی آبروریزی اور قتل کے بہیمانہ واقعہ پر ہر طرف خاموشی ہے۔ کولکاتا کی ڈاکٹر کی طرح تسلیم جہاں بھی میڈیکل کے پیشہ سے وابستہ تھی تاہم اس کو انصاف دلانے کیلئے کسی سمت سے آواز نہیں اٹھائی جارہی ہے۔

تسلیم جہاں کے بھائی رفیع احمد نے نمائندہ انقلاب سے خصوصی گفتگو میں اتراکھنڈ پولیس اور انتظامیہ پر سنگین الزامات عائد کئے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی ہمشیرہ اتراکھنڈ کے رُودر پور کے موٹیرا اسپتال میں کام کرتی تھیں۔ اس کے لاپتہ ہونے پر پولیس میں رپورٹ درج کرائی گئی، پولیس نے تسلیم جہاں تلاش کرنے کیلئے کچھ نہیں کیا۔ اس کی آبروریزی اور قتل کا انکشاف ہونے پر پولیس نے نشہ کے عادی ایک شخص کو جو پہلے چوری کے الزام میں گرفتار ہو چکا تھا، اس واقعہ کے قاتل کے طور پر پیش کر کے معاملہ کو ''حل'' کر دیا۔ رفیع احمد نے الزام لگایا کہ پولیس اصل ملزمین کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ تسلیم جہاں جسم سے سبھی اعضاء تک نکال لئے گئے اور شناخت مٹانے کیلئے اس کے چہرے پر کیمیکل ڈالا گیا۔ انہوں نے موٹیرا اسپتال انتظامیہ پر بھی شک کا اظہار کیا جہاں ان کی ہمشیرہ کام کرتی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ تسلیم لاپتہ ہونے کے بعد اسپتال انتظامیہ نے ان کی کوئی خیر خبر نہیں لی۔

نوٹ! یہ خبر انقلاب کی ویب سائٹ سے اخذ کی گئی ہے۔

15 اگست اور ہندی مسلمان

محمد فرحان سیوانی

15 اگست ۱۹۴۷ء ہندوستان کی تاریخ کا وہ دن ہے جس دن ہندوستان نے برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کی، آزادی کی جدوجہد جو برسہا برس سے جاری تھی، جس کے لئے خون کی ندیاں بہائی گئیں، جانوں کا نذرانہ پیش کیا گیا، قید وبند کی تکلیفیں برداشت کی گئی، جیل کی کوٹھریوں میں قیام کرنا پڑا، پھانسی کے پھندوں کو چوم کر گلے لگایا گیا، وہ آزادی ہمیں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ملی، اسی لیے یہ دن ہمارے لئے بہت اہم اور نہایت ہی خوشی کا دن ہے، اور کیوں نہ ہو جبکہ سب سے زیادہ قربانیاں ہم نے پیش کی ہیں، سب سے زیادہ ہمارا خون بہا ہے، سب سے زیادہ ہم نے شدائد جھیلے ہیں، اسی لیے ہم اور پورا ہندوستان اس دن آزادی کا جشن مناتا ہے۔

اس دن کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانا ہو تاریخ کے اوراق کو انصاف کے ساتھ پڑھ ڈالئے، وہ تاریخ نہیں جو انگریزوں نے لکھی ہے، بلکہ ان صفحات کو دیکھئے جو اس دور کے انصاف پسند تاریخ نگاروں نے لکھی ہے، جنہوں نے حالات اور واقعات اپنی انکھوں سے دیکھے ہیں، مسلمانوں نے ہندوستان کی تاریخ میں گہرے نقوش چھوڑے ہیں کہ انکے تذکرہ کے بغیر ہندوستان کی تاریخ مکمل ہو ہی نہیں ہوسکتی۔

آزادی کے جدوجہد میں ہندوستانی مسلمانوں کا کردار!

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ آزادی کی تحریک ۱۹۵۷ سے شروع ہوئی، نہیں بالکل نہیں، ۱۹۵۷ تو بعد کا دور ہے، اس سے پہلے صرف مسلمان مردمیدان تھے، وہی انگریزوں سے پنجہ آزمائی کررہے تھے، ۱۸۰۳ میں شاہ عبدالعزیز ابن ولی اللہ محدث دہلوی نے جنگ کا فتوی دیا تھا، اسکے بعد سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے آزادی کی تحریک چلائی اور بالاکوٹ کی پہاڑی پر جام شہادت نوش کیا، نواب شجاع الدولہ، ٹیپو سلطان، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے انگزوں کے خلاف محاذ قائم کیا تھا، انگریزوں کو ناکوں چنے چبوادیئے تھے، اور ان سے لڑکر جانیں نچھاور کردیں تھیں، ۱۸۵۷ تو وہ دور ہے جب شاملی کے میدان میں حاجی امداداللہ مہاجر کی قیادت میں جنگ لڑی گئی تھی، اس جنگ کے بعد ہزاروں علماء کو تختہ دار پر لٹادیا گیا، سیکڑوں ہزاروں کو تہہ تیغ کیا گیا، اسکے بعد مولانا محمود حسن دیوبندی نے ریشمی رومال کی تحریک چلائی تھی، جسکی وجہ سے انہیں مالٹا کی جیل جانا پڑا، مسلمانوں نے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔انہوں نے نہ صرف برطانوی حکومتی نظام کے خلاف مزاحمت کی، بلکہ بھارت میں ایک مستحکم اور جامع سماجی وسیاسی نظام کے قیام کے لئے بھی کوششیں کیں۔

مسلم قیادت اور تحریکات!

ہندی مسلمانوں نے مختلف تنظیمات اور قیادت کے ذریعے آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا۔ ان میں سے کچھ نمایاں شخصیات جیسے کہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا محمد علی جوہر وغیرہ جنہوں نے بھارتی قومی کانگریس کے ساتھ مل کر برطانوی حکومتی نظام کے خلاف کام کیا، اور ان کے خیالات نے آزادی کی جدوجہد میں نمایاں کردار ادا کیا۔

آزادی کے بعد کے چیلنجز!

آزادی کے بعد، ہندی مسلمانوں کو مختلف سماجی اور سیاسی چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا۔ ملک کی تقسیم نے بہت سے مسائل کو جنم دیا، اور مسلم کمیونٹی کو اپنی شناخت اور حقوق کے تحفظ کی جدوجہد میں مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ دور ہندی مسلمانوں کے لئے نئی شناخت بنانے، اور امن وامان و بھائی چارگی کے فروغ کے لئے محنت کا دور تھا۔

نتیجہ!

15 اگست ۱۹۴۷ء ہندوستانی تاریخ کا ایک اہم سنگ میل ہے، اور ہندوستانی مسلمانوں نے اس دن کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے آزادی کی جدوجہد میں کلیدی کردار ادا کیا۔ آزادی کے بعد بھی، ہندی مسلمان اپنی شناخت اور حقوق کے تحفظ کے لئے مسلسل محنت کر رہے ہیں، اور بھارت کے جغرافیائی اور ثقافتی تنوع میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

یہ پھول مجھے کوئی وراثت میں ملے ہیں
تم نے مرا کانٹوں بھرا بستر نہیں دیکھا

☆☆☆☆

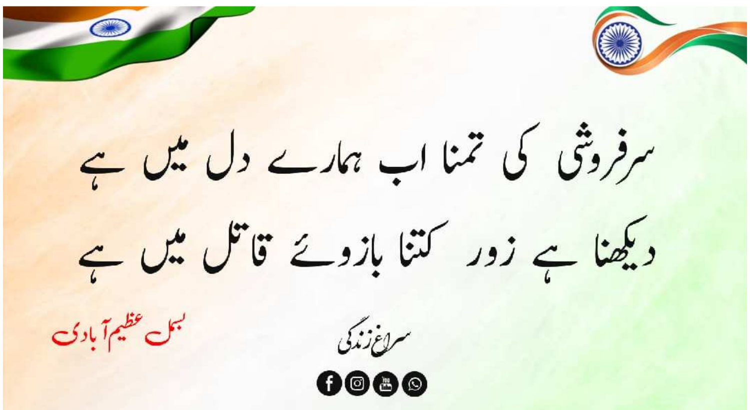

سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو

شمائلہ مومناتی بنت شوکت علی

سبھی کا خون ہے شامل یہاں کی مٹی میں
کسی کے باپ کا ہندوستان تھوڑی ہے

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں سماج کے ہر فرد نے حصہ لیا۔ سبھی نے اس ملک کو آزاد کرانے میں قربانیاں دیں۔ اس دھرتی کو انگریزوں کے جال سے بچانے کے لئے مرد عورت، جوان بوڑھے، امیر غریب اور ہر مذہب کے لوگوں نے شرکت کی۔ مگر اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ انگریزوں سے دو دو ہاتھ کرنے میں پہل مسلمانوں نے کی۔ فرنگیوں کے خلاف سب سے پہلے جہاد کا فتوی کسی اور نے نہیں بلکہ ایک مسلمان نے دیا جس کی پاداش میں انہیں جلاوطن کی سزا دی گئی۔ " انقلاب زندہ باد کا نعرہ" مسلمانوں نے دیا، " سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے" کا جذبہ مسلمانوں نے دیا، " گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی" جیسی فکر مسلمانوں نے دی، " سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا" جیسا ترانہ مسلمانوں نے دیا، حتی کہ لال قلعہ کی فصیل سے بانسری بجا کر آزادی کی مبارک باد دینے والے شہنائی کے بادشاہ استاد بسم اللہ خان بھی مسلمان تھے۔

سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہل جنوں بتلائیں گے کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

ہندوستان کی جنگ آزادی میں ہمارے علماء کرام پیش پیش رہے، مسلمان ہر محاذ پر سینہ سپر رہے، انگریزوں کی ہر سازش کو بے نقاب کیا، ان کے ہر وار کا منہ توڑ جواب دیا، فرنگیوں کی نیندیں حرام کر دیں، ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی، انہیں چاروں شانے چت کر دیا، انہیں بوریا بستر باندھنے پر مجبور کر دیا، لیکن افسوس کہ قوم مسلم کو اس کا صلہ سوائے بدنامی کے کچھ نہ ملا۔ ہمیں تقسیم ہند کا ذمہ دار قرار دیا گیا، ہماری وطنیت پر شک کیا گیا مسلمانوں کے لئے اس دیش کی دھرتی کو تنگ کر دیا گیا، وطن سے محبت کا ثبوت مانگا گیا، ارے نادان تمہیں کیا معلوم کہ ہمارے دل میں کیا ہے۔

انگریز ملک سے چلے گئے مگر اپنے پیچھے نفرت کے بیج چھوڑ گئے۔ انہیں قوم مسلم سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ ان کے سینے میں ہمیشہ یہ بات کچوکے لگاتی کہ یہ ملک ہم نے مسلمانوں سے چھینا ہے وہ کبھی بھی پلٹ کر وار کر سکتے ہیں اس لئے انہوں نے

دوقومی نظریہ پیش کیا۔زمانے سے ایک ساتھ سیر وشکر ہوکر رہنے والوں کوایک دوسرے کا دشمن بنایا۔ملک کے بٹوارے کے پس پشت کئی چہرے تاریخ کے جھروکوں سے جھانک رہے ہیں۔محض مسلمانوں کو ذمہ دارٹھہرانا سراسرزیادتی ہے۔مسلمان ہمیشہ اس دیش کی ترقی کے لئے پیش پیش رہے۔مسلمان کبھی دیش دروہی نہیں ہوسکتے۔مسلمانوں نے ہرمیدان میں وطن کا نام اونچا کرنے کی کوشش کی ہے۔ہر جگہ پرچم ہندکو بلند کیا۔اتنی قربانیاں دینے کے باوجودہمیں مشکوک نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔
ہماری حب الوطنی پرشک کیا جاتا ہے۔ہم پر باہری ہونے کا لیبل لگایا جاتا ہے۔ارے نادانوں تمہیں کیا معلوم کہ

جب گلستاں کوخوں کی ضرورت پڑی
سب سے پہلے ہی گردن ہماری کٹی
پھربھی کہتے ہیں ہم سے یہ اہل چمن
یہ وطـــــن ہے ہمارا تمہارا نہیں

☆☆☆☆

ماہنامہ سراغ زندگی میں اپنے مضامین وتخلیقات کی اشاعت کے لئے رابطہ کریں۔

مدیر	8960960984
نائب مدیر	8738916854
معاون مدیر	6388175558
معاون	6266179521
ای میل	suraagezindagi@gmail.com

تمت بالخیر